گنجینہ

میرزا یگانہ چنگیزی

قومی دارالاشاعت

وائی۔ایم۔سی۔اے بلڈنگ۔دی مال لاہور

قیمت [redacted]

کواپریٹو کیپٹل پرنٹنگ پریس وطن بلڈنگ لاہور میں چھپی

اور محمد کلیم اللہ پرنٹر و پبلشر نے پروگریسو بک کلب لاہور سے شائع کیا

فہرست



غزلیات

۱

خودی کا نشہ چڑھا آپ میں رہا نہ گیا   خدا بنے تھے یگانہ مگر بنا نہ گیا
پیام زیرِ لب ایسا کہ کچھ سنا نہ گیا   اشارہ پاتے ہی انگڑائی لی رہا نہ گیا
ہنسی میں وعدۂ فردا کو ٹالنے والو   لو دیکھ لو وہی کل آج بن کے آ نہ گیا
گناہ زندہ دلی کہئے یا دل آزاری   کسی پہ ہنس لئے اتنا کہ پھر ہنسا نہ گیا
پکارتا رہا کس کس کو ڈوبنے والا   خدا تھے اتنے مگر کوئی آڑے آ نہ گیا
سمجھتے کیا تھے مگر سنتے تھے ترانۂ درد   سمجھ میں آنے لگا جب تو پھر سنا نہ گیا
کروں تو کس سے کروں دردِ نارسا کا گلہ   کہ مجھکو لے کے دلِ دوست میں سما نہ گیا
بتوں کو دیکھ کے سب نے خدا کو پہچانا   خدا کے گھر تو کوئی بندۂ خدا نہ گیا

کرشن کا ہوں پجاری علی کا بندہ ہوں
یگانہ شانِ خدا دیکھکر رہا نہ گیا

۲

کس دلِ بے قرار کو تو نے یہ ولولہ دیا   دنیا نہ دنیا ایک ہی ظرف کو جب ہو ادیا
ہائے یہ روشنیٔ طبع، اُف یہ بلائے رنگ و بو   چشمِ ہوس پرست نے پھر سے جواں بنا دیا

کانوں میں آرہی ہے گیا دورِ ڈھول کی صدا — خوابِ نظر فریب نے سر تو نہیں پھرا دیا
ایک سی بڑھ کے ایک ہے واہ رے لطفِ زندگی — تحفۂ نوش و نیش نے خوب مزہ چکھا دیا
حسن کی آنکھیں کھل گئیں اسمیں برائی کیا ہوئی — روئے سیاہ کار سے پردہ اگر اٹھا دیا
جاگتے کو جگائے کون ایسے کو گدگدائے کون — لیجئے آگئی ہنسی۔ دیکھئے وہ جگا دیا؛
داورِ حشر کچھ نہ پوچھ دورِ شباب کا مزہ — شہدِ بہشت تھا مگر دستِ بخیل کا دیا
ہوتی ہے کب دعا قبول حسن کی بارگاہ میں — دیکھئے منتِ خاک کو وقت نے کیا بنا دیا

جذبۂ عاشقانہ دیکھ حکمتِ بندگانہ دیکھ
بن کے یگانہ میں نے خود نقشِ دوئی مٹا دیا

۳

سجدۂ صبح و شام کیا کرتا — غائبانہ سلام کیا کرتا
جو نہ سمجھے خود اپنا مطلب شوق — وہ پیام و سلام کیا کرتا
جسے چاہا بنا لیا دیوتا — بندۂ بے امام کیا کرتا
نہ چلی کچھ تو بد دعا ہی سہی؛ — ذہنِ بے لگام کیا کرتا
جس کی تلوار کا ہو لوہا تیز — حجتِ ناتمام کیا کرتا
ارے کیسی سزا کہاں کی خبر — ہچکچاتا تو کام کیا کرتا
وقت جب کاٹے حسینوں میں — کوئی مردانہ کام کیا کرتا
مجھ سے معنی شناس پر جادو — حسنِ صورت حرام کیا کرتا
ایسے ہنگامہ زارِ ہستی میں — ایک اللہ کا نام کیا کرتا
بندۂ خاص پر مرا مولا — نگہِ فیضِ عام کیا کرتا

یہ مساوات، تحفۂ ناچیز
وہ یگانہؔ کے نام کیا کرتا

۴

کون ایسا ہے جاننے والا؟ جان کر تجھکو ماننے والا؟
پہلے اپنی تو ذات پہچانے راز قدرت بھانپنے والا
پیٹ کے ہلکے لاکھ بڑ ماریں کوئی کھلتا ہے جاننے والا
جان کر اور ہو گیا انجان ہو تو ایسا ہو جاننے والا
دن کو دن سمجھے اور نہ رات کو رات وقت کی قدر جاننے والا
راہ چلتے لپٹ پڑے نہ کہیں بیدھڑک دل میں ٹھاننے والا
میں سمجھ لوں گا دوست ہے تو کون؟ مجھے رہ رہ کے تاننے والا
حسن کافر گناہ کا پیاسا بیگناہوں کو ساننے والا
تو نے جانا مجھے تو کیا جانا؟ تجھ سے اچھا نہ جاننے والا
جیت بھی اپنی ہی ہیٹ بھی اپنی ہے میں کہاں ہار ماننے والا
خاک میں مل کے پاک ہو جانا چھانتا کیا ہے چھاننے والا

کیوں نہ مانے یگانہؔ کو یکتا
اصل کو ایک جاننے والا

۵

برا کیا ہے لگی میں اپنی حد سے دور ہو جانا لپٹ کر شمع سے آخر سراپا نور ہو جانا
دکھائی جلوۂ موہوم نے کیا برق رفتاری پلک جھپکاتے ہی حدِ نظر سے دور ہو جانا

حرارہ لاچکا تھا حسن، کہئے خیریت گزری
مجھے ٹھنڈا سمجھ کر جوش کا کافور ہو جانا

ہوا سے پیرہن کا کوئی جھونکا اڑا شاید
مبارک ہو مبارک بن پیئے مخمور ہو جانا

فلک نے ایسی کروٹ لی کہ تڑکا ہو گیا ظالم
قیامت ہے چراغِ حسن کا بے نور ہو جانا

بسی ہے نکہتِ آوارہ کن نازک دماغوں میں
مبارک ہستیِ برباد پر مغرور ہو جانا

دلِ نامحرمِ فردا خدا کی مار ہو تجھ پر
ابھی سے نشۂ حسنِ عمل میں چور ہو جانا

علی کا بندہ ہو کر بندگی کی آبرو رکھ لی
یگانہ کیلئے کیا دور تھا منصور ہو جانا

٦

سب ترے سوا کافر آخر اس کا مطلب کیا
سر پھرا دے انسان کا ایسا خبطِ مذہب کیا

رنگ لاتی ہے آخر ایک جنبشِ لب کیا
دیکھئے دکھاتا ہے وعدۂ تذبذب کیا

چلو بھر میں متوالی۔ دو ہی گھونٹ میں خالی
یہ بھری جوانی کیا۔ جذبۂ لبالب کیا

ہاں دعائیں لیتا جا۔ گالیاں بھی دیتا جا
تازگی تو کچھ پہونچے۔ چاٹتا رہوں لب کیا

شامت آگئی آخر کہہ گیا خدا لگتی
راستی کا پھل پایا بندۂ مقرب کیا

الٹی سیدھی سنتا رہ اپنی کہہ تو الٹی کہہ
سادہ ہے تو کیا جانے بھانپنے کا ہے ڈھب کیا

سب جہاد ہیں دل کے سب فساد ہیں دل کے
بیدلوں کا مطلب کیا اور ترکِ مطلب کیا

ہو رہے گا سجدہ بھی جب کسی کی یاد آئی
یاد جانے کب آئے۔ زندہ داریِ شب کیا

آندھیاں رکیں کیونکر زلزلے تھمیں کیونکر
کارگاہِ فطرت میں پاسبانیِ رب کیا

کارِ مرگ کو دن کا ہے۔ تھوڑی دیر کا جھگڑا
دیکھنا ہے یہ نادان جینے کا ہے کرتب کیا

پڑ چکے بہت پالے، ڈس چکے بہت کالے
موذیوں کے موذی کو فکرِ نیشِ عقرب کیا

میرزا یگانہ واہ! زندہ باد- زندہ باد
اک بلائے بے درماں، جب تم کیا تھے اور اب کیا

۷

اپنی ہستی میں بھی کچھ شک آ پڑا
علم کا سودا بڑا مہنگا پڑا

آپ سے باہر چلے ہو ڈھونڈھنے؟
آہ پہلا ہی قدم چھوٹا پڑا

یہ تو سمجھو خفتہ کیا بیدار کیا؟
ہوش پر جب وہم کا سایہ پڑا

راست بازی کی ہوس دنیا کے ساتھ؟
کیوں قسم کھائی تھی کیوں مارا پڑا؟

زندہ رکھا ہے سسکنے کے لئے!
واہ اچھے دوست سے پالا پڑا

آج ہی حق سے ادا ہو جائیے
دھیان بھٹکا ولولہ ٹھنڈا پڑا

فکرِ دنیا میں رہے دن بھر خراب
شب ہوئی آنکھوں پہ پھر پردہ پڑا

اب ہوا رنگِ تصرف دیدنی
روح پر جب جسم کا پردہ پڑا

واہ سنتے ہی یگانہ کی غزل
اپنے بیگانے کو بھی چسکا پڑا

۸

ہر رنگ روشن ہر دیدنی کیا
دل تک نہ پہونچے وہ روشنی کیا

نشہ ہے نشہ کس بل ہے کس بل
کس بل کے آگے اک سنسنی کیا

یہ نوجوانی ۔ یہ نامرادی
چھائی ہے منھ پر یہ مُردنی کیا

منھ سے نہ بولو سر سے تو کھیلو
ہے ماجرائے ناگفتنی کیا

اندر ہی اندر کیوں کھپ رہے ہو
کر بیٹھے کوئی ناکردنی کیا

کیوں یاد آئے پچھلا زمانہ ؟ / اک جان بلب سے یہ دشمنی کیا
مشکل تو اک دن آسان ہوگی / یہ کون جانے دم پر بنی کیا
ہم ہوں کہ تم ہو دونوں ہیں ٹھنڈے / اب دوستی کیا اور دشمنی کیا
انگور کھٹے ہوں خواہ میٹھے / بے دسترس کی طعنہ زنی کیا

ہر خار و گل ہے یکتا یگانہ
پھر دیدنی کیا۔ نادیدنی کیا

۹

پالا امید و بیم سے ناگاہ پڑ گیا / دل کا بنا بنایا گھروندا اگجڑ گیا
الٹی تھی مت زمانۂ مردہ پرست کی / میں ایک ہوشیار کہ زندہ ہی گڑ گیا
شربت کا گھونٹ جان کے پیتا ہوں خونِ دل / غم کھاتے کھاتے منہ کا مزہ تک بگڑ گیا
بوئے وفا کہاں چمنِ روزگار میں / دل ہٹ گیا ہے جیسے کوئی پھول جھڑ گیا
کس سادگی سے میں نے بڑھایا تھا دستِ شوق / ہتھے سے بدمزاج یکایک اکھڑ گیا
ایسے کے پاؤں چومئے یا پیار کیجئے / قدموں پہ میں جھکا تو وہ دونا اکڑ گیا
منہ زوریوں کا حوصلہ سرکارِ حسن سے؟ / آخر پڑی وہ مار کہ چرسا ادھڑ گیا

پہلے تو آپ اپنے کو پہچانتے نہ تھے
حسنِ یگانہ کس کی نگاہوں میں تڑ گیا؟

۱۰

آئینہ میں سامنا جب ناگہاں ہو جائے گا / پردۂ غیرت وہاں بھی درمیاں ہو جائے گا
کس محبت سے جگہ دی دل نے دردِ عشق کو / کیا خبر تھی تشنۂ خوں میہماں ہو جائے گا

اشک ٹپکے یا نہ ٹپکے دل بھر آئیگا ضرور ۔۔۔ آہ کرنے دیجئے آپ امتحاں ہو جائے گا
نیند کے ماتے ٹھہر جا آنکھ کھلنے کی ہے دیر ۔۔۔ چشمِ حیراں میں سبک خواب گراں ہو جائے گا
شب کی شب مہماں ہے یہ ہنگامۂ عبرت سرا ۔۔۔ صبح تک سب نقشِ پائے کارواں ہو جائے گا
رہزنوں کا پھر کوئی دھڑکا نہ کھٹکا خار کا ۔۔۔ پہلی منزل سے جب آگے کارواں ہو جائے گا
جان دینے دیر کیا لگتی ہے تیری راہ میں ۔۔۔ دل سلامت ہے تو یہ بھی امتحاں ہو جائے گا
چار دن کی زندگی ہے کاٹ دو ہنس بول کر ۔۔۔ دل لگا لو پھر قفس ہی آشیاں ہو جائے گا
کیا نہ سمجھے تھے کہ دل سا شیشۂ نازک مزاج ۔۔۔ چوٹ کھائی کھاتے کھاتے اتنا سخت جاں ہو جائے گا

دیکھ لو حسنِ یگانہ دور سے بیگانہ وار
پاس جاؤ گے تو پردہ درمیاں ہو جائیگا

۱۱

جنھیں ذوقِ حضوری خواب و بیداری میں حاصل تھا
خداوندا وہ آنکھیں کون سی تھیں کون سا دل تھا؟

خدایا داغ گیا واللہ وہ جلوہ بھی دیکھا ہے
خدا جانے وہی حق تھا کہ حق کا عکسِ باطل تھا

تماشا گاہِ حیرت میں کہاں کا تو کہاں کا میں
بس اتنا تھا کہ آئینے سے آئینہ مقابل تھا

اندھیری کوٹھری میں آئینہ دیکھا تو کیا دیکھا
یہی دیکھا کہ میں خود دیدۂ بینا میں باطل تھا

زہے حُسنِ گنہگاری، زہے فیضِ پشیمانی
جسے ٹھنڈا پسینا آگیا جنت میں داخل تھا

نگاہِ شوق کی دُنیا خدا جانے کہاں تک ہے
جہاں دیکھا وہی حُسنِ یگانہؔ شمعِ محفل تھا

۱۲

کدھر چلا ہے اِدھر ایک رات بستا جا
گرجنے والے گرجتا ہی کیا برستا جا

دکھا دے خاک کے پتلوں میں زور کتنا ہے
ہوا یہ تیر جھکا اب زمیں میں دھنستا جا

رُلا رُلا کے غریبوں کو ہنس چکا کل تک
مری طرف سے اب اپنی دسا پہ ہنستا جا

جفائے پنجۂ خونخوار سے جو بس نہ چلے
تو بن کے خشک نوالہ گلے میں پھنستا جا

علاجِ اہلِ حسد، زہر خندِ مردانہ
ہنسی ہنسی میں تو ان احمقوں کو ڈستا جا

بقدرِ ذوق تماشائے حُسن ناممکن
ترسنے میں بھی ہے اک کیفیت، ترستا جا

تو آپ اپنی ہے شمشیر آپ اپنی سپر
یگانہؔ باگ اُٹھا اپنے بل پہ کستا جا

۱۳

ادب نے دل کے تقاضے اُٹھائے ہیں کیا کیا
ہوس نے شوق کے پہلو دبائے ہیں کیا کیا

نہ جانے سہوِ قلم ہے کہ شاہکارِ قلم
بلائے حُسن نے فتنے اُٹھائے ہیں کیا کیا

نگاہ ڈال دی جس پر وہ ہو گیا اندھا
نظر نے رنگِ تصرف دکھائے ہیں کیا کیا

اسی فریب نے مارا کہ کل ہے کتنی دور
اس آج کل میں عبث دن گنوائے ہیں کیا کیا

پیامِ مرگ سے کیا کم ہے مژدۂ ناگاہ
اسیر چھوٹتے ہی تلملائے ہیں کیا کیا

کسی کے روپ میں تم بھی تو اپنے درشن دو — جہاں میں شاہ و گدا رنگ لائے ہیں کیا کیا
کہاں کے معنی و مطلب یہ راگ ہی کچھ اور — الاپنے پہ مرے حال آئے ہیں کیا کیا
پہاڑ کاٹنے والے زمیں سے ہار گئے — اسی زمین میں دریا سمائے ہیں کیا کیا
گزر کے آپ سے ہم آپ تک پہنچ تو گئے — مگر خبر بھی ہے کچھ پھیر کھائے ہیں کیا کیا
بلند ہو تو کھلے تجھ پہ زور پستی کا — بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگائے ہیں کیا کیا
خوشی میں اپنے قدم چوم لوں تو زیبا ہے — وہ لغزشوں پہ مری مسکرائے ہیں کیا کیا

خدا ہی جانے یگانہ میں کون ہوں کیا ہوں
خود اپنی ذات پہ شک دل میں آئے ہیں کیا کیا

۱۴

محبت نے ایمان کھویا تو کیا — پشیمانیوں میں ڈبویا تو کیا
حرارت ہے دل کی ابھی تک وہی — زمانے نے اتنا سمویا تو کیا
بنی ہے وہی موج تخت رواں — مجھے ناخدا نے ڈبویا تو کیا
یہاں کیا دھرا ہے جو ہاتھ آئے گا — کلیجہ میں پنجہ گڑویا تو کیا
امانت میں تیری خیانت نہ کی — مگر مفت کا بوجھ ڈھویا تو کیا
نہ میں وہ رہا اور نہ تو وہ رہا — تجھے ہاتھ سے اب جو کھویا تو کیا
سر بزم پیالے سے ہی مرحبائیے — کہ تلچھٹ سے دامن بھگویا تو کیا
نہ دل سے ہو کچھ تو اک بات ہے — ہنسا میں تو کیا اور رویا تو کیا
کہاں اڑ گئی وہ جوانی کی نیند — اچٹتی سی اک نیند سویا تو کیا
نیم کیوں نہ ہو جائے ملنگے کی آنکھ — کہ عینک سے دھاگا پرویا تو کیا

بہالے گیا گھر بھی ابرِ کرم   جو بویا تو کیا اور نہ بویا تو کیا
نہالیتے گنگا بھیڑِ اصفا پاک   گناہوں کو زمزم سے دھویا کیا

تمھیں بھی مزا اِس کا چکھنا پڑا
یگانہ کو ہاتھوں سے کھویا تو کیا

۱۵

تماشا ہے مری تصویر کا بیکار ہو جانا   قلم کے زخم کھا کر پیکرِ خونبار ہو جانا
دوا کا اور دعا کا امتحاں منظور تھا ورنہ   بھلے چنگے گوارا تھا کسے بیمار ہو جانا
نہ ہے دیوانگی چشمِ ہوس کی بھیڑ میں پڑنا   ہجومِ شوق میں گُم گشتۂ بازار ہو جانا
بہت میں نے ٹٹولا جادۂ شیخ و برہمن کو   کوئی آساں ہے ناہموار کا ہموار ہو جانا
قیامت تک یہ کالے کوس روشن ہو نہیں سکتے   عبث ہے ہمرکابِ کافر و دیندار ہو جانا
تصور سے کبھی خوابِ اجل کی کانپ اٹھنا   کبھی تعبیر سُن کر جان سے بیزار ہو جانا
عجب کیا بھول جائے طائرِ خواب آشیاں اپنا   شبِ غم دُور کیا ہے راہ کا دشوار ہو جانا
لہو کا گھونٹ بھی فصلِ خزاں میں مل نہیں سکتا   قیامت ہے گلوں کا ہمزبانِ خار ہو جانا
کوئی طوفان آیا یا ہمارے کان بجتے ہیں   ذرا اے بندگانِ ناخدا ہشیار ہو جانا
عجب کیا ہے ہم ایسے گرم رفتاروں کی ٹھوکر سے   زمانے کے بلند و پست کا ہموار ہو جانا

مُبارک بوالہوس کو یاس آنکھیں مانگتے پھرنا
کسی کی دیکھا دیکھی تشنۂ دیدار ہو جانا

۱۶

سلسلہ چھڑ گیا جب یاس کے افسانے کا   شمع گل ہو گئی دل بجھ گیا پروانے کا

عشق سے دل کو ملا آئینہ خانے کا شرف
جگمگا اٹھا کنول اپنے سیہ خانے کا

خلوتِ ناز کجا اور کجا اہلِ ہوس
زور کیا چل سکے فانوس سے پروانے کا

وائے حسرت کہ تعلق نہ ہوا دل کو کہیں
نہ تو کعبہ کا ہوا میں نہ صنم خانے کا

تشنہ لب ساتھ چلے شوق میں سایہ کی طرح
رُخ کیا ابرِ بہاری نے جو میخانے کا

واہ کس ناز سے آتا ہے ترا دورِ شباب
جس طرح دور چلے بزم میں پیمانے کا

کیا عجب ہے جو حسینوں کی نظر لگ جائے
خون ہلکا ہے بہت آپ کے دیوانے کا

آپ اب شمعِ سحر بڑھ کے گلے ملتی ہے
بخت جاگا ہے بڑی دیر میں پروانے کا

بزم میں صبح ہوئی چھا گیا اک سنّاٹا
سلسلہ چھڑ گیا جب آپ کے افسانے کا

۱۷

دُنیا کا چلن ترک کیا بھی نہیں جاتا
اس جادۂ باطل سے پھرا بھی نہیں جاتا

زندانِ مصیبت سے کوئی نکلے تو کیوں کر
رسوا سرِ بازار ہوا بھی نہیں جاتا

دل بعدِ فنا بھی ہے گرانبارِ امانت
دنیا سے سبکدوش اٹھا بھی نہیں جاتا

اک معنئ بے لفظ ہے اندیشۂ فردا
جیسے خطِ قسمت کہ پڑھا بھی نہیں جاتا

کیوں آنے لگے شاہدِ عصمت سرِ بازار
کیا خاک کے پردے میں چھپا بھی نہیں جاتا

۱۸

اب چین گنہگاروں کو دم بھر نہیں ملتا
پیاسے ہیں اور آبِ دمِ خنجر نہیں ملتا

آرام سے سونے کی جگہ ہے تو لحد ہے
دنیا میں تو راحت کا کوئی گھر نہیں ملتا

کسریٰ کا محل بھی ہو ہمیں قبر سے بدتر　　آرام کہیں گھر کے برابر نہیں ملتا
کیوں نقشِ قدم دیکھ کے کھاتے ہو پچھاڑیں　　کیا قافلے سے کوئی بچھڑ کر نہیں ملتا
کچھ دل کی لگی اور بھڑک جاتی ہے ساقی　　ملتا بھی ہو اک جام تو بھر کر نہیں ملتا
کیوں یاسؔ یوں ہی دور سے منہ تکتے رہوگے
بے مانگے تو اس بزم میں ساغر نہیں ملتا

۱۹

ہنوز زندگیِ تلخ کا مزہ نہ ملا　　کمالِ صبر ملا صبر آزما نہ ملا
مری بہار و خزاں جسکے اختیار میں ہے　　مزاج اوس دلِ بے اختیار کا نہ ملا
جواب کیا وہی آوازِ بازگشت آئی　　قفس میں نالۂ جانکاہ کا مزہ نہ ملا
امیدوارِ رہائیِ قفس بدوش چلے　　جہاں اشارۂ توفیقِ غائبانہ ملا
ہوا کے دوش پہ جاتا ہو کاروانِ نفس　　عدم کی راہ میں کوئی پیادہ پا نہ ملا
ہزار ہا تھ اسی جانب ہو منزلِ مقصود　　دلیلِ راہ کا غم کیا ملا ملا نہ ملا
بس ایک نقطۂ فرضی کا نام ہے کعبہ　　کسیکو مرکزِ تحقیق کا پتا نہ ملا
امید و بیم نے مارا مجھے دوراہے پر　　کہاں کے دیر و حرم گھر کا راستہ نہ ملا
خوشا نصیب جسے فیضِ عشقِ شور انگیز　　بقدرِ ظرف ملا ظرف سے سوا نہ ملا
سمجھ میں آگیا جب عذرِ فطرتِ مجبور　　گناہ گارِ ازل کو نیا بہانہ نہ ملا
بجز ارادہ پرستی خدا کو کیا جانے　　وہ بدنصیب جسے بختِ نارسا نہ ملا
نگاہِ یاسؔ سے ثابت ہو سعیِ لاحاصل
خدا کا ذکر تو کیا بندۂ خدا نہ ملا

۲۰

کون جانے وعدۂ فردا وفا ہو جائیگا — آج سے کل تک خدا معلوم کیا ہو جائیگا
اعتبارِ وعدہ واجب بدگمانی کفر ہے — کفر سے باز آیئے وعدہ وفا ہو جائیگا
دردمندوں کی کہانی پر دلِ بے دسترس — ہاتھ مل کر فرض سے اپنے ادا ہو جائیگا
کیا خبر تھی دل سا شاہنشاہ آخر ایک دن — عشق کے ہاتھوں گداؤں کا گدا ہو جائیگا
بڑھتے بڑھتے اپنی حد سے بڑھ چلا دستِ ہوس — گھٹتے گھٹتے ایک دن دستِ دعا ہو جائیگا
آئینہ ہے وہ زیارت گاہ جس کے سامنے — خود پرستوں کیلئے سجدہ روا ہو جائیگا
عشق کا حسنِ طلب اک معنیٔ بے لفظ ہے — ٹکٹکی بندھ جائیگی مطلب ادا ہو جائیگا
ہے ذرا سی ٹھیس کا مہماں حبابِ جاں بلب — اک اشارے میں ہوا کی دم فنا ہو جائیگا
سانس لیتا ہوں تو آتی ہے صدائے بازگشت — کون دن ہوگا کہ اک نالہ رسا ہو جائیگا

کیا سمجھتے تھے یگانہ محرمِ رازِ فنا
غرق ہو کر آپ اپنا ناخدا ہو جائے گا

۲۱

مجھے دل کی خطا پر یاس شرمانا نہیں آتا — پرایا جرم اپنے نام لکھوانا نہیں آتا
برا ہو پائے سرکش کا کہ تھک جانا نہیں آتا — کبھی گمراہ ہو کر راہ پر آنا نہیں آتا
ازل سے تیرا بندہ ہوں ترا ہر حکم آنکھوں پر — مگر فرمانِ آزادی بجا لانا نہیں آتا
مجھے اے ناخدا آخر کسی کو منہ دکھانا ہے — بہانہ کر کے تنہا پار اتر جانا نہیں آتا
مصیبت کا پہاڑ آخر کسی دن کٹ ہی جائیگا — مجھے سر مار کر تیشے سے مر جانا نہیں آتا
دلِ بے حوصلہ ہے اک ذرا سی ٹھیس کا مہماں — وہ آنسو کیا پئے گا جس کو غم کھانا نہیں آتا

اسیر و شوقِ آزادی مجھے بھی گدگداتا ہے
مگر چادر سے باہر پاؤں پھیلانا نہیں آتا
سراپا راز ہوں، میں کیا بتاؤں کون ہوں کیا ہوں
سمجھتا ہوں مگر دنیا کو سمجھانا نہیں آتا

۲۲

چلے چلو جہاں لیجائے ولولہ دل کا
دلیلِ راہِ محبت ہے فیصلہ دل کا
ہوائے کوچۂ قاتل سے بس نہیں چلتا
کشاں کشاں لئے جاتا ہے ولولہ دل کا
گلہ کسے ہے کہ قاتل نے نیمجاں چھوڑا
تڑپ تڑپ کے نکالوں گا حوصلہ دل کا
خدا بچائے کہ نازک ہے اُن میں ایک سے ایک
تُنک مزاجوں سے ٹھہرا ہے معاملہ دل کا
دکھا رہا ہے یہ دونوں جہاں کی کیفیت
کریگا ساغرِ جم کیا مقابلہ دل کا
کسی کے ہو رہو اچھی نہیں یہ آزادی
کسیکی زلف سے لازم ہے سلسلہ دل کا
پیالہ خالی اٹھا کر لگا لیا منھ سے
کہ یاس کچھ تو نکل جائے حوصلہ دل کا

۲۳

بیٹھا ہوں پاؤں توڑ کے تدبیر دیکھنا
منزل قدم سے لپٹی ہے تقدیر دیکھنا
آوازے مجھپہ کستی ہیں پھر بندگانِ عشق
پڑ جائے پھر نہ پاؤں میں زنجیر دیکھنا
ہوش اُڑ نہ جائیں صنعتِ بہزاد دیکھکر
آئینہ رکھ کے سامنے تصویر دیکھنا
چونکے تو چشمِ شوق میں عالم سیاہ تھا
خوابِ نظر فریب کی تعبیر دیکھنا
مردوں سے شرط باندھکے سوئی ہے اپنی موت
ہاں دیکھنا ذرا فلکِ پیر دیکھنا
پہنا دیا ہے طوقِ غلامی تو ایک دن
میری طرف بھی مالکِ تقدیر دیکھنا

پروانے کر چکے تھے سرانجام خودکشی — فانوس آڑے آ گیا تقدیر دیکھنا
ہر خوب و زشت آپ ہی اپنی مثال ہے — حدِ کمالِ کاتبِ تقدیر دیکھنا
شاید خدانخواستہ آنکھیں دغا کریں — اچھا نہیں نوشتۂ تقدیر دیکھنا
اصلاح کی مجال نہیں ہے تو کیا ضرور — بے ربطیٔ نوشتۂ تقدیر دیکھنا

بادِ مراد چل چکی لنگر اٹھاؤ یاسؔ
پھر آگے بڑھ کے خوبیٔ تقدیر دیکھنا

۲۴

دھواں سا جب نظر آیا سوادِ منزل کا — نگاہِ شوق سے آگے تھا کارواں دل کا
چراغ لے کے کسے ڈھونڈھتے ہیں دیوانے — نشاں تو دور رہا یاں نام تک نہیں دل کا
نہ سر میں نشّہ رہا باقی نہ دل میں کیفیت — زباں پہ رہ گیا اک ذکرِ خیر محفل کا
پرائی موت کا احساں بھی ہے ہمیں منظور — کہیں طلسم تو ٹوٹے عدم کی منزل کا
وہ دستِ شل جو دعا کیلئے بھی اٹھ نہ سکے — ارادہ کون سے بل پر کریگا ساحل کا
کبھی تو موج میں آئے گا تیرا دیوانہ — اشارہ چاہئیے ہے جنبشِ سلاسل کا
خود اپنی آگ میں جلتا تو کیمیا ہوتا — مزاج داں نہ تھا پروانہ شمعِ محفل کا
جوابِ حسنِ طلب بیدلوں سے بن نہ پڑا — حیا سے گڑ گئے جب نام آ گیا دل کا
امید و بیم نے وہ راستا ہی چھوڑ دیا — چراغ گل ہوا جب آستانہ دل کا
ازل سے اپنا سفینہ رواں ہے دھارے پر — ہوا ہنوز نہ گرداب، کا نہ ساحل کا
فلک ہے دونوں طرف کا نگاہباں جبتک — نہ اپنی آنکھ اٹھے گی نہ پردہ محمل کا

حضورِ دوست یگانہ کچھ ایسے غائب تھے
زبانِ گنگ تک آیا نہ ماجرا دل کا

۲۵

چراغِ زیست بجھا دل سے اک دھواں نکلا — لگا کے آگ مری گھر سے میہماں نکلا
دل اپنا خاک تھا پھر خاک کو جلانا کیا — نہ کوئی شعلہ اُٹھا اور نہ کچھ دھواں نکلا
تڑپ کے آبلہ پا اُٹھ کھڑے ہوئے آخر — تلاشِ یار میں جب کوئی کارواں نکلا
لہو لگا کے شہیدوں میں ہو گئے داخل — ہوس تو نکلی مگر حوصلہ کہاں نکلا
نہاں تھا خانۂ دل ہی میں شاہدِ مقصود — جو بے نشاں تھا وہ دیوار درمیاں نکلا
لگا ہے دل کو اب انجامِ کار کا کھٹکا — بہارِ گل سے بھی اک پہلوئے خزاں نکلا
زمانہ پھر گیا چلنے لگی ہوا الٹی — چمن کو آگ لگا کر جو باغباں نکلا
خوشی سے ہو گئے بدخواہ میرے شادیٔ مرگ — کفن پہن کے جو میں گھر سے ناگہاں نکلا
دکھایا گورِ سکندر نے بڑھ کے آئینہ — جو سر اُٹھا کے کوئی زیرِ آسماں نکلا
اب اپنی روح ہے اور سیرِ باغِ عالم ہے — کنوئیں سے یوسفِ گم کردہ کارواں نکلا
لحد سے بڑھ کے نہیں کوئی گوشۂ راحت — قیامت آئی جو اس گھر سے میہماں نکلا

کلامِ یاس سے دنیا میں پھر اک آگ لگی
یہ کون حضرتِ آتش کا ہمزباں نکلا

۲۶

قفس کو جانتے ہیں یاس آشیاں اپنا — مکان اپنا زمیں اپنی آسماں اپنا
ہوائے تند میں ٹھہرا نہ آشیاں اپنا — چراغ جل نہ سکا زیرِ آسماں اپنا

بس ایک سایۂ دیوارِ یار کیا کم ہے
اٹھا لے سر سے مرے سایہ آسماں اپنا

سنا ہے رنگِ زمانہ کا اعتبار نہیں
بدل نہ جائے یقیں سے کہیں گماں اپنا

مرے کیساتھ ہوں اندوہ و غم تو کیا کہنا
یقیں نہ ہو تو کرے کوئی امتحاں اپنا

شریکِ حال ہوا ہے جو فقر و فاقہ میں
گڑے گا ساتھ ہی کیا اپنے میہماں اپنا

عجیب بھول بھلیاں ہے منزلِ ہستی
بھٹکتا پھرتا ہے گم گشتہ کارواں اپنا

کدھر سے آتی ہے یوسف کی بوئے مستانہ
خراب پھرتا ہے جنگل میں کارواں اپنا

جرس نے مژدۂ منزل سنا کے چونکایا
نکل چلا تھا دبے پاؤں کارواں اپنا

خدا کسی کو بھی یہ خوابِ بد نہ دکھلائے
قفس کے سامنے جلتا ہے آشیاں اپنا

۲۷

واں نقاب اٹھی کہ صبحِ حشر کا منظر کھلا
یا کسی کے حسنِ عالمتاب کا دفتر کھلا

چپ لگی مجھکو گناہِ عشق ثابت ہو گیا
رنگ چہرے کا اڑا رازِ دلِ مضطر کھلا

اشکِ خوں سے زرد چہرہ پر ہے کیا طرفہ بہار
دیکھئے رنگِ جنوں کیسا مرے منہ پر کھلا

آنکھ جھپکی تھی تصور بندھ چکا تھا یار کا
چونکتے ہی حسرتِ دیدار کا دفتر کھلا

بند آنکھیں ہو گئیں بیتاب ہو ہو کر گرے
سامنے پیاسوں کے کس نے رکھ دیا ساغر کھلا

رنگ بدلا پھر ہوا کا میکشوں کے دن پھرے
پھر چلی بادِ صبا پھر میکدے کا در کھلا

صحبتِ واعظ میں بھی انگڑائیاں آنے لگیں
راز اپنی میکشی کا کیا کہیں کیونکر کھلا

ہاتھ الجھا ہے گریباں میں تو گھبراؤ نہ یاس
بیڑیاں کیونکر کٹیں زنداں کا در کیونکر کھلا

٢٨

روشن تمام کعبہ و بتخانہ ہو گیا — گھر گھر جمالِ یار کا افسانہ ہو گیا
تمثال ہے یار ہر طرف آئینہ خانے میں — شاید کسی پہ آپ بھی دیوانہ ہو گیا
زنجیر پھر ہلا دی نسیمِ بہار نے — پھر باہر آپ سے ترا دیوانہ ہو گیا
دیر و حرم بھی ڈھ گئے جب کچھ نہیں رہا — سب دیکھتے ہی دیکھتے ویرانہ ہو گیا

کل کی ہی بات جوش پہ تھا عالمِ شباب
یادش بخیر آج اک افسانہ ہو گیا

٢٩

قصہ کتابِ عمر کا کیا مختصر ہوا — رُخ داستانِ غم کا ادھر سے ادھر ہوا
ماتم سرائے دہر میں کس کس کو رو دیئے — اے وائے دردِ دل نہ ہوا دردِ سر ہوا
آزاد ہو سکا نہ گرفتارِ شش جہت — دل مفت بندۂ ہوسِ بال و پر ہوا
خدا کو دور ہی سے ہمارا سلام ہے — دل اپنا شام ہی سے چراغِ سحر ہوا

دنیا کے ساتھ دین کی بیگار الاماں
انسان آدمی نہ ہوا جانور ہوا

٣٠

قیامت ہے شبِ وعدہ کا اتنا مختصر ہونا — فلک کا شام ہی سے دستِ گریبانِ سحر ہونا
شبِ تاریک نے پہلو دبایا روزِ روشن کا — زہے قسمت مری بالیں پہ تیرا جلوہ گر ہونا
دیارِ بیخودی ہے اپنے حق میں گوشۂ راحت — غنیمت ہے گھڑی بھر خوابِ غفلت میں بسر ہونا
تماشائے چمن کی کیا حقیقت چشمِ عبرت میں — اثر ہونا تو لازم ہے مگر الٹا اثر ہونا

بہار آتے ہی شادی مرگ ہو جاؤں تو اچھا ہے — خزاں سے پہلے ہی بہتر ہے قصہ مختصر ہونا
دلِ آگاہ نے بیکار میری راہ کھوٹی کی — بہت اچھا تھا انجامِ سفر سے بے خبر ہونا
وہی ساقی وہی ساغر وہی شیشہ وہی بادہ — مگر لازم نہیں ہر ایک پر یکساں اثر ہونا

سنا کرتے تھے آج آنکھوں سے دیکھیں دیکھنے والے
نگاہِ یاس کا سنگیں دلوں پر کارگر ہونا

۳۱

وائے نادانی کہ داری گوش بر دیوارِ ما — اہلِ دل را روئے ما آئینۂ اسرارِ ما
چشم پوشی شیوۂ ما حیلہ جوئی تا کجا — ایکہ باشی غائبانہ در پئے آزارِ ما
پیشِ پا افتادہ بینی صد بلند و پست را — بہرہ یابی اگر از تشنۂ پندارِ ما
ہر سکونِ مضطرب، آئینۂ صد انقلاب — تا سحر محوِ تماشا دیدۂ بیدارِ ما
کیست ازیں ہر دو کہ بکشاید درے از معرفت — زاہدِ شب زندہ دارے یا دلِ بیدارِ ما؟
تا بچشمِ ما نیرزد جز متاعِ بیخودی — رخصت اے ہوش و خرد، رو کردہ بازارِ ما
دوستانِ زندہ دل را خندہ بر لب سوختی — اے نگاہِ بے زباں اے برقِ بے زنہارِ ما
زخمِ عبرت خوردہ ایم از دستِ نقاشِ ازل — خندۂ غفلت مزن بر پیکرِ خونبارِ ما

ہر کس از بزمِ یگانہ دست بر دل می رود
خویش را بیگانہ سازد محرمِ اسرارِ ما

۳۲

منکہ برنمی تابم دردِ زیستن تنہا — صبحدم چساں بینم شمعِ انجمن تنہا
تا کجا اماں یابد از ہجومِ جانبازاں — گوشہ گیرِ فانوسے بہرِ سوختن تنہا

ہر گلے و ہر خارے فتنہ ہا برانگیزد — الحذر دلِ حیراں صد بہار و من تنہا

ذوق می تواں دانست رنگ حُسن نادیدہ — شاہد است غمّازے، بُوئے پیرہن تنہا

طرفہ محشرے دارد از فریبِ فردائے — زندہ زیرِ پیراہن مردہ در کفن تنہا

اے کہ کارہا کردی مدفنے جہت اُگن — تا بہ کے نہاں دارد عیبِ من کفن تنہا

چارہ پشیمانی خوش دلی و خوش کامی — توبہ از ریاکاراں خندہ ہا ز من تنہا

رہبرانِ خود گُم را، جُز تُو عا چہ فرمایم — پا شکستہ و حیراں ماندہ در وطن تنہا

ناخدا ز من بگزر سُوئے دیگراں بنگر — کارِ من بہ دریائے دستِ و پا زدن تنہا

صد رفیق و صد ہمدم پر شکستہ و دلتنگ — داورا نمی زیبد بال و پر بہ من تنہا

نکتہ داں خود سازم میرزا یگانہ را
دل نمی تواں برداشت لذّتِ سخن تنہا

۳۳

اضطراب بال و پر پروانه دارم داده اند — جائے دل ایک شعلۂ بے ختیارم داده اند

تشنۂ موج سرابم پا بجولاں می روم — منزل ہو ہوم وپلۓ بے قرارم داده اند

می دہد ہر منزلِ نو شوقِ پروازِ دِگر — در پئے عنقا فریبِ خوشگوارم داده اند

گوشِ نامحرم نیرزد جز صدائے بازگشت — صد جوابِ التجا بیگانه وارم داده اند

از فضائے عالمِ بالا فتادم سرنگوں — سوئے پستی لغزشِ بے اختیارم داده اند

خویش را بہرِ تماشا در میاں دزدیده ام — جائے خویش در پہلوئے گل ہمچو خارم داده اند

مژدۂ تسکیں یگانه کے نصیبِ من شود
یک پیامِ زیرِ لب بیگانه وارم داده اند

۳۴

نو گرفتارم بزندانِ ہوس بے اختیار — دست بر دل مانده در کنجِ قفس بی اختیار

با اجل دست و گریباں صد ہزار آرزو — از گراں جانی مبادا ہیچکس بے اختیار

وا ز ہولِ شوق ہر موجِ نفس بے اختیار — از فریبِ رنگ و بو چشمِ تمنا بے خبر

سروِ رعنا را بیادِ دوست گیرد در کنار — ایں دلِ بے دست و پائی دسترس بی اختیار

غافل از انجامِ خود، نامحرم از آغازِ خود — چشمِ حیراں در طلسمِ پیش و پس بے اختیار

چشمِ امیدے مگر دارد ز گردِ کارواں — پا شکسته را دل از شورِ جرس بے اختیار

ہر کس و ناکس بطوفانِ حوادث مبتلا — موجِ دریا بے قرار و خار و خس بے اختیار

فرصتے داری یگانه نعرۂ مستانه زن
تا بوجد آید دلِ ہر نکته رس بے اختیار

۳۵

خودپرستان ازل دارند ایمانے دگر / حق پرستی می کنند اما بعنوانے دگر
دست خود و دامان خود بودن ندارد لذتے / دست گستاخے دگر خواہیم و دامانے دگر
جز ترنم ہاے درد افزا ندارم چارہ / بلبل تنہا نشیں را نیست درمانے دگر
گوشہم از ذوق اسیری بر نتابد مژدہ / جان ایذا دوست دارد شوق زندانے دگر
پاسبانی از نگاہ نارسا ناید درست / بوئے یوسف را مہیا کن نگہبانے دگر
الوداع اے حسن و عشق کفر مشرب الوداع / ما بہ فیض بیدلی داریم ایمانے دگر
غفلت جاوید دارد رنگ خواب سرمدی / جلوۂ فردا بچشم ما شبستانے دگر
ہر کسے را بہرہ باشد ز فیضان بہار / دست من رنگین ز خار و گل بدامانے دگر

زندہ در گوریم و شاید زندۂ جاوید ہم
جرعہ خوردیم پاس از آب حیوانے دگر

۳۶

خمار دیدۂ غفلت مآب از من پرس / نوید صبح و تقاضائے خواب از من پرس
ز رنگ روئے خزاں دیدہ ام چنیں مگر ز / ہنوز لذت یاد شباب از من پرس
ز درد تشنہ لبی ہا شکستہ دل نہ شوم / طلسم بندئی موج سراب از من پرس
شمار بوسہ ز ذوق لبم تواں دانست / در آئینہ منگر ایں حساب از من پرس
زبان آدمیم ما کہ می تواند بست / نگاہ حسن طلب را جواب از من پرس
ز اضطراب دلم درد سر کشد بالیں / شب دراز و تمنائے خواب از من پرس
برنگ خویش برآورد حسن دوست مرا / کرشمہ نگہ بے حجاب از من پرس

تلاشِ معنیِ بیگانہ در صحیفۂ عبث
یگانہ مطلبِ دورے از کتاب از من پرس

۳۷

نیشِ درد و نوشِ درماں بر نتابد ہر دلے
زیست مشکل مرگ آساں بر نتابد ہر دلے

در بہارِ پرخلش آسودہ نتواں زیستن
خار در پیراہنِ جاں بر نتابد ہر دلے

خوش سر و کارے مرا با درد سر افتادہ است
غمزۂ ناخواندہ مہماں بر نتابد ہر دلے

العطش اے ساقیِ خمخانۂ غم العطش
نشۂ عیشِ پشیماں بر نتابد ہر دلے

دوزخِ خود را بہشتے سازم از اعجازِ عشق
جائے گل آتش بداماں بر نتابد ہر دلے

بہرہ از عقل جو یا فیضے از دیوانگی
پندِ پیر و سنگِ طفلاں بر نتابد ہر دلے

۳۸

وقت خوش با شمعِ بے پروانہ دارم دیدنی
صد نیاز و نازِ گستاخانہ دارم دیدنی

تشنۂ آغوشِ من حورِ جنان بیرونِ در
طرفہ مہمانے درونِ خانہ دارم دیدنی

شمع را عریاں ہمی بینم حجاب اندر حجاب
سرمہ از خاکسترِ پروانہ دارم دیدنی

ایکہ پرسی نشۂ دردِ نہانم از کجاست
بادۂ بیرنگ در پیمانہ دارم دیدنی

فیضِ تنہائی سلامت، یاد آیا مے دمن
جنتے در گوشۂ غمخانہ دارم دیدنی

کس بہ دردم کے رسد جز ناکسے نامحرمی
دوست نادانے، دلِ دیوانہ دارم دیدنی

بوئے گل را در گرہ بندم زہے دیوانگی
در قفس بازیچۂ طفلانہ دارم دیدنی

من کہ سیلابِ بلا را پیش پا افتادہ ام
بے سر و پا ہمتِ مردانہ دارم دیدنی

می تواں خواند از جبینم ماجرائے سوزِ دل
شمع روشن اندریں ویرانہ دارم دیدنی

ہر دو منزل را ز شمعِ یکجہت روشن کنم
خدمتِ در کعبہ و بتخانہ دارم دیدنی

ہر کس و ناکس یگانہ لافِ یکتائی زند
دستِ بالا بر سرِ بیگانہ دارم دیدنی

۳۹

لذّتِ زندگی مبارک باد
کل کی کیا فکر؟ ہرچہ بادا باد

اے خوشا زندگی کہ پیہائے شوق
دوست کے دم قدم سے ہے آباد

بندۂ عشق ہو گیا جائے ہے
کسے کہتے ہیں بندۂ آزاد؟

دل سلامت ہے، دردِ دل نہ سہی
درد جاتا رہا کہ درد کی یاد؟

مڑ کے دیکھا نہ آشیاں کی طرف
خون ہو ہو کے دل میں رہ گئی یاد

کشش لکھنؤ ارے توبہ
پھر وہی ہم وہی امین آباد

زیست کے ہیں یہی مزے واللہ
چار دن شاد چار دن ناشاد

کون دیتا ہے دادِ ناکامی -؟
خون فرہاد برسرِ فرہاد

صبر اتنا نہ کر کہ دشمن پر
تلخ ہو جائے لذتِ بیداد

صلح کر لو یگانہ غالب سے
وہ بھی استاد تم بھی ایک استاد

۴۰

وہ جوانی کی موج وہ منجدھار
خیر نیت بخیر - بیڑا پار

آپ کیا جانیں مجھ پہ کیا گزری
صبحدم دیکھ کر گلوں کا نکھار

حسن ابتک ہی خوابِ غفلت میں
دیکھئے کس ہوا سے ہو بیدار

دور سے دیکھ لو حسینوں کو
نہ بنانا کبھی گلے کا ہار

اپنے ہی سائے سے بھڑکتے ہو
ایسی وحشت پہ کیوں نہ آئے پیار

تو بھی جی اور مجھے بھی جینے دے
جیسے آباد گل سے پہلوئے خار

خبط مذہب ہو خواہ تحفہ کفر
جس سے پایا اوسی کے سر دے مار

منھ جو تکتی ہو مرگِ دشمن کا
ایسی تلوار پہ خدا کی مار

ہائے یہ بہکی بہکی باتیں کیوں -؟
کیا کوئی بھنگ چڑھ گئی سرکار

جاگتا خواب دیکھئے کب تک
چشم امید پہ خدا کی سنوار

بے نیازی بھلی کہ بے ادبی ؟
لڑکھڑاتی زباں سے شکوہ یار ؟

بندگی کا ثبوت دوں کیونکر — اس سے بہتر ہے کیجئے انکار
عشق ہی عینِ زندگی تو نہیں — ہاں مگر زندگی کا آلۂ کار
زندگی نے یہ کیسی کروٹ لی — آئی کانوں میں کون سی جھنکار
ایسے دو دل بھی کم ملے ہوں گے — نہ کشاکش ہوئی نہ جیت نہ ہار

بن پڑے تو یگانہ بن کر دیکھ
عکس کوئی اتر سکے تو اُتار

۴۱

آپ میں کیونکر رہے کوئی یہ ساماں دیکھکر — غنچہ غنچہ میں بہارِ صد گریباں دیکھکر
دل کو بہلاتے ہو کیا کیا آرزوئے خام سے — امرِ ناممکن ہیں گویا رنگِ امکاں دیکھکر
کیا عجب ہے بھول جائیں اہلِ دل اپنا بھی درد — حسنِ مستانہ کو آخر میں پشیماں دیکھکر
بیدلوں نے ہنستے ہنستے مار ڈالا بے اجل — اہلِ دل کو مبتلائے درد و درماں دیکھکر
ڈھونڈتے پھرتے ہو اب ٹوٹے ہوئے دل میں پناہ — درد سے خالی دلِ گبر و مسلماں دیکھکر
دل جلا کر وادیٔ غربت کو روشن کر چلے — خوب سوجھی جلوۂ شامِ غریباں دیکھکر
امتیازِ صورت و معنی سے بیگانہ ہوا — آئینہ کو آئینہ حیراں کو حیراں دیکھکر
پیرہن میں کیا سما سکتا حبابِ جاں بلب — ہستیٔ موہوم کا خوابِ پریشاں دیکھکر
صبر کرنا سخت مشکل ہے تڑپنا سہل ہے — اپنے بس کا کام کر لیتا ہوں آساں دیکھکر

اور کیا ہوتی یگانہ دردِ عصیاں کی دوا؟
کیا غزل یاد آئی واللہ فردِ عصیاں دیکھکر

۴۲

اڑتے ہیں ہوش گردشِ لیل و نہار دیکھکر
آج وہی قفس ہے پھر سیرِ بہار دیکھکر

سیرِ بہار آخری پھر کہیں یاد آنہ جائے
ٹپکیں گے سرِ قفس پہ ہم پھولوں کے ہار دیکھکر

عالمِ شوق میں اسیر ہو گئے باہر آپ سے
چل بسے آمد آمدِ فصلِ بہار دیکھکر

مستوں کی خاک کو فلک اپنے کرم سے رکھ معاف
بھٹکے گی روح سایۂ ابرِ بہار دیکھکر

ہول یہی ہے ساقیا مستوں کا دم نکل نہ جائے
صبح کو تیری آنکھ میں کیفِ خمار دیکھکر

ایسی پلا کہ ساقیا فکر نہ ہو نجات کی
نشہ کہیں اتر نہ جائے روزِ شمار دیکھکر

آنکھیں بھی ملتے ہیں مگر سوجھتا کچھ نہیں ہے اب
چونکے ہیں خواب سے جو ہم جلوۂ یار دیکھکر

کاش مرا چراغِ زیست قبلِ سحر خموش ہو
آنکھیں نہ جانیں کیا دکھائیں محفلِ یار دیکھکر

اہلِ ہوس کجا، کجا جلوۂ صبر آزما
تاب نہ لائے غش ہوئے آخرِ کار دیکھکر

آبلہ پا نکل گئی کانٹوں کو روندتی ہوئے
سوجھا پھر آنکھ سے نہ کچھ منزلِ یار دیکھکر

منظرِ یاس نے ہمیں آج لہو رلا دیا
شعلۂ دل بھڑک اٹھا شمعِ مزار دیکھکر

۴۳

ہنستا ہے عشق مجھکو گرانبار دیکھکر
زندانِ آب و گل میں گرفتار دیکھکر

کس کل پہ ہے بنائے طلسماتِ آب و گل
اہلِ نظر ہیں نقش بدیوار دیکھکر

شانہ ہلا کے موت نے چونکا دیا مجھے
محوِ طلسم بندیٔ اسرار دیکھکر

آخر اجل نے روح کو آزاد کر دیا
احسانِ بے سبب سے گرانبار دیکھکر

منزل کو اپنے زیرِ قدم جانتے ہیں ہم
اس توسنِ خیال کی رفتار دیکھکر

روزِ ازل سے منزلِ سودا ہو جس کا سر
وہ کیوں نہ غش ہو سنگِ درِ یار دیکھ کر

پیدا نہ ہو زمیں سے نیا آسماں کوئی
دل کانپتا ہے آپ کی رفتار دیکھ کر

چلتی ہے کس طرف کی ہوا پچھلی رات سے
جی سن سے ہو گیا رُخِ بیمار دیکھ کر

باقی نہیں مزاج دوا کا اثر ہو کیا۔؟
منھ پھیر لیتے ہیں ترے بیمار دیکھ کر

جنسِ وفا نہ تھی کوئی مفلس کا مال تھا
دل ہٹ گیا نگاہِ خریدار دیکھ کر

ناگفتنی ہے حضرتِ دل کون سی وہ بات
کیا یاد آ گیا رسن و دار دیکھ کر

غیرت سے رنگِ نامۂ اعمال اڑ نہ جائے
کیفیتِ نگاہِ گنہگار دیکھ کر

آئینہ رکھ کے آپ بھی سجدے میں جھک گئے
اب کیا کہیں گے کافر و دیندار دیکھ کر

گردن ہی اپنی جب کسی قابل نہ ہو گی یاس
پھر کیا بڑھے گا دل رسن و دار دیکھ کر

۴۴

قفس میں بوئے سمانہ بھی آئی دردِ سر ہو کر
نویدِ ناگہاں پہونچی ہے مرگِ منتظر ہو کر

نگاہِ شوق سے کیا کیا گلوں کا دل دھڑکتا ہے
مُبادا رنگ و بو اڑ جائے پامالِ نظر ہو کر

زمانے کی ہوا بدلی نگاہِ آشیاں بدلی
اٹھے محفل سے سب بیگانۂ شمعِ سحر ہو کر

کہاں پہ نارسائی کی ہے پروانوں کی قسمت نے
پڑے ہیں منزلِ فانوس پر بے بال و پر ہو کر

مقدر اُس مسافر کا طلب جس کی نہیں ہوتی
نصیبوں میں ہو گمراہی گنہگار سفر ہو کر

جواب آیا تو کیا آیا صدائے بازگشت آئی
دہن سے آہ نکلی مبتلائے بے خبر ہو کر

فلک کو دیکھتا ہوں اور زمیں کو آزماتا ہوں
مسافر در وطن خانہ بدوشِ رہگذر ہو کر

عدو کیا زہر دیتا ہے ہم ایسے تلخ کاموں کو
لہو کا گھونٹ اُتر جاتا ہے جب شیر و شکر ہو کر

خود اپنے خاک و خوں میں لوٹ کر آلودہ دنیا
پڑا ہے اب گڑھے میں گور کی آلودہ تر ہو کر

خدا معلوم اس آغاز کا انجام کیا ہوگا
چھڑا ہے سازِ ہستی مبتدائے بے خبر ہو کر

دیارِ بیخودی میں امتیازِ روز و شب معلوم
بلا آئی ہے بدبختوں پہ شام بے سحر ہو کر

رہائی کا خیالِ خام ہے یا کان بجتے ہیں؟
اسیرو بیٹھے کیا ہو گوش بر آوازِ در ہو کر

مبارک نامِ آزادی سلامت دامِ آزادی
دعائیں دوں کسے یارب اسیرِ بال و پر ہو کر

عجب کیا وعدۂ فردا پسِ فردا پہ ٹل جائے
کوئی شام اور آجائے نہ شامِ بے سحر ہو کر

نگاہِ یاس کا عالم جو آگے تھا سو اب بھی ہے
ہزاروں گل کھلے بازیچۂ شام و سحر ہو کر

۴۵

زمیں کروٹ بدلتی ہے بلائے ناگہاں ہو کر
عجب کیا سر پہ آئے پاؤں کی خاک آسماں ہو کر

زبان دلخراش و داستانِ ظلم ارے توبہ
دہلتا ہے قفس ہنگامۂ زارِ الاماں ہو کر

خزاں کے دور میں دل کی لگی بجھتی تو کیا بجھتی
ہمیں خود آشیاں سے اُڑ گئے ہوتی دھواں ہو کر

وبالِ رنگ و بو سے چھوٹتے ہی پر نکالیں گے
گرانبارِ بہار آخر سبکدوشِ خزاں ہو کر

زمانے بھر کا منہ تکتے ہیں کیوں، اپنی طرف دیکھیں
بسر کرنا ہے جنکو رنگ و بوئے رائیگاں ہو کر

پرائے درد کی کوئی نگہبانی کرے کب تک
حقیقت کھل نہ جائے اضطرابِ رازداں ہو کر

ہزاروں شمعیں لاکھوں دل تری محفل میں جلتے ہیں
جلیں گبر و مسلماں کیوں نہ یکدل یکزباں ہو کر

جہنم ہو کہ جنت طائرِ جاں تھم نہیں سکتا
کہیں پرواز کی حد مل سکیگی لامکاں ہو کر

خودی کی کیفیت سے چونکتے ہی دیکھتا کیا ہوں
کہ اترا نشۂ ہستی خمارِ جاوداں ہو کر

پیامِ غفلتِ جاوید ہے جب لو حقیقت کا
سما جائے نہ آنکھوں میں کہیں خوابِ گراں ہو کر

اٹھو اے سونیوالو سر پہ دھوپ آئی قیامت کی
کہیں یہ دن نہ ڈھل جائے نصیبِ دشمناں ہوکر

ارے او جلنے والے کاش جلنا ہی تجھے آتا
یہ جلنا کوئی جلنا ہے کہ رہ جائے دھواں ہوکر

بہارِ لکھنؤ کو خونِ دل سے کسنے سینچا ہے؛
خدا لگتی کبھی کہدے گا کوئی پتّا زباں ہوکر

بھڑکتے ہیں مگر بیدرد منہ سے کچھ نہیں کہتے
نگاہِ یاس نے مارا ہے دردِ بےزباں ہوکر

۴۶

نقشِ باطل ہو چلا خوابِ پریشانِ بہار
دیدۂ حیراں میں کھچکر آگئی جانِ بہار

ہوشیار اے چشمِ نرگس اے نگہبانِ بہار
ہے زوالِ رنگ و بو دست و گریبانِ بہار

آگ برسائے فلک یا آبِ حیوانِ بہار
زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے پشیمانِ بہار

چشمِ پرخوں نے مجسم کر دیا موہوم کو
ورنہ بے تعبیر تھا خوابِ پریشانِ بہار

چاندنی کی سیر کریئے ہم سے آنکھیں مانگ کر
ہیں کدھر پروانۂ شمعِ شبستانِ بہار

اپنا ہاتھ اپنا گریباں اپنا سودا اپنا سر
استخارہ کر چکے پابندِ فرمانِ بہار

پیرہن کیا گھر بھی خوش وقتی کو ماری تنگ ہے
آشیاں ہے اپنے حق میں ظرفِ زندانِ بہار

حاشئے کیا کیا چڑھاتے ہیں قفس میں زندہ دل
مردہ دل کہتے ہیں بےمعنی ہے فرمانِ بہار

کیوں قفس بردوش پھرتے ہیں اسیرانِ ہوس
ننگِ یارانِ چمن ناخواندہ مہمانِ بہار

اے خزاں پروردہ دل ذکرِ چمن سے باز آ
اپنے اوپر رحم کر اے دشمنِ جانِ بہار

قافلہ کا قافلہ مارا ہوائے دہر نے
رہ گئے سوتی کی سوتی سب حسینانِ بہار

رنگ و بوئے عارضی سے دل بہلنے کا نہیں
فکرِ فردا ہی نظر میں خارِ دامانِ بہار

اپنے اپنے رنگ میں اور اپنے اپنے حال میں
کوئی حیرانِ خزاں کوئی پشیمانِ بہار

دیکھنا یہ ہے کہ آخر تک ٹھہرتا کون ہے؟ ۔۔۔ بوٹا بوٹا بن گیا ہے مردِ میدانِ بہار
خار و گل دونوں کو اپنے بانکپن پر ناز ہے ۔۔۔ دیکھئے رہتا ہے کس کے ہاتھ میدانِ بہار

دیکھ لیتا ہوں چمن کو دور سے بیگانہ وار
پاس مجھ سے کیوں کھٹکتا ہے نگہبانِ بہار

۴۷

آنکھ جھک جاتی ہے خار و گل کو باہم دیکھ کر ۔۔۔ دیدنی نادیدنی دونوں کو توام دیکھ کر
گرد کے ہمراہ رنگِ عارضی بھی ڈھل گیا ۔۔۔ روئے گل ہے غرقِ خجلت فیضِ شبنم دیکھ کر
واہ ری وارفتگی جاتی رہی سب بھوک پیاس ۔۔۔ چشمِ بلبل سے گلوں کو غرقِ شبنم دیکھ کر
رنگ لائی گرم بازاری ہوائے گرم کی ۔۔۔ روئے گل تونسا ہوا ہے قحطِ شبنم دیکھ کر
آنکھ والے راہ میں حیرت کے پتلے بن گئے ۔۔۔ کچھ نہ سوجھا خاک کے پتلوں کا عالم دیکھ کر
نقش بر دیوارِ زنداں ہیں اسیرانِ بلا ۔۔۔ چپ لگی ہے دل میں اک ہنگامۂ غم دیکھ کر
اس طرف سات آسماں اور اس طرف اک ناتواں ۔۔۔ تم نے کروٹ تک نہ لی دنیا کو برہم دیکھ کر
صلح کر لی چرخ نے آخر دلِ مظلوم سے ۔۔۔ انتقامِ حشر کے آثار مبہم دیکھ کر
حد کو پہونچا کر رہیگا پائے نافرماں مجھے ۔۔۔ سست پڑنے کا نہیں زنجیر محکم دیکھ کر
منزلِ موہوم ضد سے دور کھنچتی ہی گئی ۔۔۔ گرم رفتارِ مؤخر کو مقدم دیکھ کر
بیخودی میں آبلہ پا بھی بگولے بن گئے ۔۔۔ منزلِ موہوم کو شاید مجسم دیکھ کر
انتقامِ قدرتِ خاموش آڑے آ گیا ۔۔۔ شعلہ و پروانہ کی وہ جنگ پیہم دیکھ کر

دردِ دل یاس آپ کیا روئے در و دیوار سے
چھیڑنا تھا قصۂ غم گوشِ محرم دیکھ کر

۴۸

وطن کی ہے ہوا سر میں وطن کی خاک دامن پر
گریباں چاک کر لیتا ہوں یاد دوست دشمن پر

ہوئے کیوں بار خاطر خود بخود گلہائے پژمردہ
ڈھے پڑتے ہیں آپ ہی آپ کیوں گلچیں کے دامن پر

فریب چشم احول سے ہوس دونی ہوئی دل کی
مگر کیا دسترس دنیا کے رنگا رنگ خرمن پر

نہ ترک اختیار آساں نہ ضبط اضطرار آساں
یہی دست دعا جھلا کے اٹھ جاتا تھا دشمن پر

پسینا تک نہیں آتا تو ایسی خشک توبہ کیا
ندامت وہ کہ دشمن کو ترس آجائے دشمن پر

شکست نشہ و کیف ندامت واہ کیا کہنا
بجائے مے ٹپکتا ہے زلال اشک دامن پر

نگاہ بے نیازی نے دکھایا راستہ سیدھا
بھٹکتا کوئی کب تک جادۂ شیخ و برہمن پر

خدا جانے اجل کو پہلے کس پر رحم آئیگا
گرفتار قفس پر یا گرفتار نشیمن پر

دہائی کھینچنے والو قفس سے لاگ رکھنا کیا
مبادا آگ برسے آنچ آجائے نشیمن پر

زہے معراج انسانی کہ بندہ ہوں تو اپنا ہوں
چڑھایا خود پرستی نے نگاہ دوست و دشمن پر

کجا طرز یگانہ اور کجا انداز بیگانہ
بجا ہے رشک تم جیسوں کو ایسے صاحب فن پر

۴۹

تمھیں نہ چاہو لپٹنا تو بس چلے کیونکر
ہنسی ہنسی میں لگا لے کوئی گلے کیونکر

لگاؤں کیوں نہ کوئی عیب بے وفائی کا
بلائے حسن ہو نازل تو پھر ٹلے کیونکر

الگ تھلگ کی ملاقات کرکری کیوں ہو
کھلے تو عشق کھلے دل لگی کھلے کیونکر

نباہنا بھی حسینوں سے اک بڑا فن ہے
تجھ ایسے باولے کو عاشقی پھلے کیونکر

لگی ہو چاٹ جنھیں تیری بدزبانی کی
ادب سے بیٹھینگے نچلے وہ منچلے کیونکر

مجال تھی کوئی دیکھے تمھیں نظر بھر کے؛ — یہ کیا ہے آج پڑے ہو ملے دَلے کیونکر
جبھی تو اپنی طرف دیکھتا ہوں حیرت سے — پڑا ہے عشق مرا آپ کے گلے کیونکر
سمجھ کا پھیر ہے یا وقت کا تقاضا ہے — وہی بُرے نظر آنے لگے بھلے کیونکر
بتاؤں کیا تمھیں بازار کا اُتار چڑھاو — بنا رہے گا یہی بھاؤ دن ڈھلے کیونکر
نگاہ شوق نے آخر بنا دیا دیوتا — خبر بھی ہے مرے سانچے میں تم ڈھلے کیونکر

یگانہ تم بھی ہو بہرے کہ اف نہیں کرتے
خدا کو کوستے پھرتے ہیں دل جلے کیونکر

۵۰

خداؤں کی خدائی ہو چکی بس — خدارا بس دُہائی ہو چکی بس
کہیں پتھر بھی ہو سکتا ہے پانی — دعاؤں کی رسائی ہو چکی بس
کسی ڈھب سے نپٹ لو جب مزہ ہے — بہت زور آزمائی ہو چکی بس
بجھائے کون، تو جس کو جلائے — پتنگوں کی چڑھائی ہو چکی بس
ہوا میں اُڑ گیا ایک ایک پتّا — گلوں کی جگ ہنسائی ہو چکی بس
بھلا اب کیا جچوں اپنی نظر میں — نظر اپنی پرائی ہو چکی بس
رہا کیا جب دلوں میں فرق آیا — اوسی دن سے جدائی ہو چکی بس
بہت پہونچا تو نادیدہ پہ رکھا — تخیّل کی رسائی ہو چکی بس

پڑے ہو کون سے گوشے میں تنہا
یگانہ کیوں خدائی ہو چکی بس؟

۵۱

تو کہاں اور کہاں وہ جلوۂ پاک — دلِ بیباک تیری آنکھ میں خاک
کھا گیا کتنے جاں نثاروں کو — پردے پردے میں شعلۂ بیباک
دیکھئے کیا خدا دکھاتا ہے — آپ نازک مزاج ہم بیباک
گھُل گئیو جیسے موم کی مریم — کیوں بڑھایا تھا دل جلوں سے تپاک
بدگمانوں کی مہربانی سے — پاک دامن بچے نہ دامن چاک
ذات میں اپنی کیا نہیں موجود؟ — عشق ساز ہر عقل ساتر پاک
آسماں کی ذرا سی گردش میں — کوئی ہلکان اور کوئی ہلاک
کون ٹھہرے سمے کے دھارے پر — کوہ کیا اور گیا خس و خاشاک
میں کہاں اور کہاں کے پست و بلند؟ — ایک ٹھوکر میں تھا بکھیڑا پاک
ہوش کیا پائے گا پتا میرا — لے اُڑا دور جو ہرا اور اک
فلسفی کو خبر نہیں اپنی — آنکھ کے آگے ناک سوجھے خاک

حسن اپنا بھی دیکھ لوں اک دن
عشق چاہے تو کر دے خاک سے پاک

۵۲

گوشہ گیری ہے اک انوکھا سانگ — مانگنا ہے کھلے خزانے مانگ
پوچھنا کیا زمانہ سازوں کا — نت نیا بھیس نت نرالا سانگ
شیخ کی کون سی ہے کل سیدھی — ارے جو بات ہے سو اوٹ پٹانگ
کس طلب میں چلا ہے بے اٹکل — آنکھ والوں سے پہلے آنکھیں مانگ

صلح ٹھہری تو ہے برہمن سے — کہیں مذہب اڑا نہ دے کوئی ٹانگ
بانسری نے دلوں کو موہ لیا — کون سنتا ہے پنجگانہ بانگ
ایک اور ایک دو کسے سمجھائیں — اونچے مرغوں کی ہے وہی اک ٹانگ
اڑ چلے کیا فرشتہ انسان سے؟ — سو اُڑان اُس کی اِسکی ایک پھلانگ
پھرتے ہیں بھیس میں حسینوں کے — کیسے کیسے ڈکیت تھانگ کی تھانگ
کون دیتا ہے ساتھ مردوں کا — حوصلہ ہو تو باندھ ٹانگ سے ٹانگ
خواہ پیالہ ہو یا نوالہ ہو — بن پڑے تو جھپٹ لے بھیک نہ مانگ

بول بالا رہے یگانہ کا
نام باجے جگت کے چاروں دانگ

۵۳

حُسن وہ حُسن جسکا روپ نہ رنگ — نت نیا رنگ نت نرالا ڈھنگ
حسن کیا، حُسن کی تجلّی کیا — رنگ لایا ہے جلوۂ بیرنگ
اُس نگاہِ رسا کو کیا کہئے — جس پہ ہو عرصۂ دو عالم تنگ
دیکھئے لے اڑا کہاں سے کہاں — نشّہ رنگ و بوئے رنگا رنگ
کام کیا فلسفی کا رندوں میں — کیوں ہو بیٹھے بٹھائے رنگ میں بھنگ
مردہ دل کو ٹٹولنے والو — چھیڑنے کیا ہو سازِ بے آہنگ
کیا اب آگے نہیں کوئی منزل؟ — کیا ہوئی دل کی وہ لگن وہ امنگ
وہی اُلجھے نہ اب خاروں سے — جسکا دل تنگ جسکی دنیا تنگ
ہنستے ہنستے بنے تھے پریم بھگت — دل لگی بڑھتے بڑھتے لائی رنگ

سنگ دل کو بنا دو ہیں دیوتا — آپ کیا جانیں بندگی کے ڈھنگ
آہ کیا تجھ کو نہ آئے بھرم — درد کتنا ہے دل میں کتنی اُمنگ
جیتے جی یہ عذابِ تنہائی — دل لگا لو تو کیوں رہو دل تنگ

میر کے آگے زور کچھ نہ چلا
تھے بڑے میرزا یگانہ دبنگ

۵۴

زحمتِ سجدہ ہے فضول بتکدۂ مجاز میں — ہو گی نماز کیا قبول کعبۂ خانہ ساز میں
دیکھ کے حسنِ خوب و زشت انجمنِ مجاز میں — ہوش و خرد ہیں مبتلا زحمتِ امتیاز میں
واہ رے مطلعِ نظر واہ رے سیرِ مختصر — کعبے سے دیر کا سفر زندگیٔ دراز میں
نفس سے گفتگوئے صلح جنگ خلافِ مصلحت — کوئی نہ کوئی فیہ ہے عقلِ زمانہ ساز میں
ہوتا ہی بند ایک در کھلتے ہیں صد ہزار در — اپنی طرف سے تنگ نہ کر نیتِ کارساز میں
داورِ حشر ہوشیار دونوں میں امتیاز رکھ — بندۂ نا امید اور بندۂ بے نیاز میں
بندۂ خود شناس ہے اپنے ہی پیرہن میں مست — بوئے خودی کو دخل کیا پیشگہِ ایاز میں
اُف رے تصرفاتِ عشق آگ لگے دھواں نہ ہو — ڈوبے ہوئے ہیں سنگدل لذتِ سوز و ساز میں
یادِ خدا کا وقت بھی آئے گا کوئی یا نہیں — یادِ گناہ کب تلک شام و سحر نماز میں

سجدۂ اولیں میں یاس پا گئے دادِ بندگی
شادیٔ مرگ ہو گئے عید کے دن نماز میں

۵۵

نتیجہ کچھ بھی ہو لیکن ہم اپنا کام کرتے ہیں — سویرے ہی سے دور اندیش فکرِ شام کرتے ہیں

چلیں کیوں دور کر ناداں جو ایسی ٹھوکریں کھائیں　　بلند و پست عالم کو عبث بدنام کرتے ہیں

جہنم میں بھی جلنے کیلئے حاضر ہیں پروانے　　کہیں اہل ہوس اندیشۂ انجام کرتے ہیں

تمہارے واسطے کعبہ تو کیا ہے دل بھی حاضر ہے　　مسلماں بھی کہیں پروائے ننگ و نام کرتے ہیں

یہ کس کے سر رہیگا خونِ ناحق بیگناہوں کا　　وفاداروں کی ضد سے آپ قتلِ عام کرتے ہیں

بجھائے کون اب دل کی لگی شوقِ شہادت میں　　ہم اپنے ہاتھ سے لبریز اپنا جام کرتے ہیں

ہزاروں مر کے زندہ ہو چلے کوئے تمنا میں　　ہم ایسے سخت جاں اس خاک کو بدنام کرتے ہیں

دلِ ویراں نہیں اک محشرستانِ تخیل ہے　　اسی زنداں سے ہم سیرِ ہجومِ عام کرتے ہیں

دلِ وحشی بغیر اون کے نہ بہلا ہے نہ بہلے گا　　یہ کس دیوانے کی خدمت وہ میرے نام کرتے ہیں

نگاہوں سے گرایا اس کو کمبخت اسی دل نے
اسی دل کی بدولت لوگ کیا کیا کام کرتے ہیں

۵۶

جان پیاری ہے حیات جاوداں پیاری نہیں　　زندگی کیا موت کی جب گرم بازاری نہیں

صبر کہتا ہے کہ رفتہ رفتہ مٹ جائے گا داغ　　دل یہ کہتا ہے کہ بجھنے کی یہ چنگاری نہیں

جلوہ گر رہنے لگا چشم تصور میں کوئی　　حضرتِ دل بے سبب راتوں کی بیداری نہیں

دیکھتے ہی دیکھتے بدلا زمانے کا یہ رنگ　　پھولوں میں خوشبو حسینوں میں وفاداری نہیں

چھوڑ کر جائیں کہاں اب اپنے ویرانے کو ہم　　کون سی جا ہے جہاں حکمِ خزاں جاری نہیں

جھیلیں لینگے ہجر کے مارے قیامت کا بھی دن
آج کی شب تو کٹے پھر کوئی دشواری نہیں

۵۷

دستِ شل کو دخلِ ناممکن خطِ تقدیر میں — جائے نقطہ بھی نہیں باقی کسی تحریر میں

خودکشی بھی بن نہ آئی پھر دوا پینا پڑی — ہائے یہ تلخی کہاں تھی زہرِ بے تاثیر میں

کافر و دیندار میں ہے رشتۂ واحد وہی — سب کے سب جکڑے ہوئے ہیں ایک ہی زنجیر میں

آئینہ دکھلا رہا ہے صورتِ آبادِ جہاں — حسنِ معنی جلوہ گر ہے پردۂ تصویر میں

شوخیاں کیا کیا دکھائیں حسنِ منتِ خاک نے — عالمِ جاں سے نکل کر عالمِ تصویر میں

اصل کے آگے فریبِ نقل چل سکتا نہیں — بوئے مستانہ کہاں پیراہنِ تصویر میں

خاک کا پتلا بھی یوں باتیں بناتا کیا مجال
راز ہے پنہاں کوئی اس بولتی تصویر میں

۵۸

حسنِ فطرت بولتا ہے پردۂ اسرار میں — معنئ بے لفظ پنہاں ہیں زبانِ خار میں

ذوق جبتک ہے جبھی تک ہے بہارِ رنگ و بو — دل ہے جبتک دل جبھی تک ہے کھٹک بھی خار میں

یاد ایام کہ تھا زندوں میں اپنا بھی شمار — زور تھا اپنی قلم میں باڑھ تھی تلوار میں

عمر گھٹنے کیلئے ہے وقت کٹنے کیلئے — مفت دن گننے کو ہم پکڑے گئے بیگار میں

خوابِ شیریں کی ہوس کیا خوابِ بد کا خوف کیا — آچکی اب نیند اپنی دیدۂ بیدار میں

نشۂ یکرنگ میں دونوں ہیں کیا ڈوبے ہوئے — کیسی جنگِ زرگری ہے کافر و دیندار میں

غفلتِ امروز میں اندیشۂ فردا ہو گم — نشہ اتنا ہو کم از کم وعدۂ دیدار میں

ناخدا کچھ زورِ طوفاں آزمائی بھی دکھا — فکرِ ساحل چھوڑ لنگر ڈال دے منجھدار میں

یاس گمراہی ہے اچھی زحمتِ واماندگی — ڈال لو زنجیر کوئی پائے کج رفتار میں

۵۹

گلے میں باہیں ڈالے چین سے سونا جوانی میں — کہاں ممکن پھر ایسا خواب بکھوں زندگانی میں
غنیمت جان اس کوچہ میں تھک کر بیٹھ جانے کو — کسے دم بھر ملا آرام دورِ آسمانی میں

تڑپ جاتے ہیں حُسن و عشق کا جب نام آتا ہے
اسی سے بس سمجھ لو یاسؔ کیا ہوں گے جوانی میں

۶۰

کب اچھل سکے گی بادِ مخالف مزار میں — جلتا ہے دل جلوں کا چراغ اس دیار میں
اُلٹی ہوا زمانے میں چلتی ہے آج کل — فرق آگیا ہے گردشِ لیل و نہار میں
یوسف کو نے اُڑے نہ کہیں بوئے پیرہن — اخفائے حُسن و عشق نہیں اختیار میں
منزل کی دھن میں آبلہ پا چل کھڑے ہوئے — شورِ جرس سے دل نہ رہا اختیار میں
کہتے ہو اپنے فعل کا مختار ہے بشر — اپنی تو موت تک نہ ہوئی اختیار میں
کس کل پہ ہے بہ خاک کا پُتلا بنا ہوا — کیا بانے کیا طلسم ہے مشتِ غبار میں
شرمندہ کفن نہ ہوئے آسمان سے ہم — مارے پڑے ہیں سایہ دیوارِ یار میں
لیلیٰ کجا کجا یہ طلسمات عنصری — کیا ڈھونڈتا ہے پردہ گرد و غبار میں

دُنیا سے یاسؔ جانے کو جی چاہتا نہیں!
واللہ کیا کشش ہے اس اجڑے دیار میں

۶۱

یکساں کبھی کسی کی نہ گذری زمانے میں — یادش بخیر بیٹھے تھے کل آشیانے میں
صدمے دیئے تو صبر کی دولت بھی دیگا وہ — کس چیز کی کمی ہے سخی کے خزانے میں

دیواریں پھاند پھاند کے دیوانے چل بسے　　خاک اڑ رہی ہے چار طرف قید خانے میں

رہ رہ کے جیسے کان میں کہتا ہے یہ کوئی　　ہوں گے قفس میں کل جو ہیں آج آشیانے میں

افسردہ خاطروں کی خزاں کیا بہار کیا　　کنج قفس میں مر رہے یا آشیانے میں

ہم ایسے بدنصیب کہ اب تک نہ مر گئے　　آنکھوں کے آگے آگ لگی آشیانے میں

دیوانے بن کے ان کے گلے سے لپٹ بھی جاؤ
کام اپنا کر لو یاسؔ بہانے بہانے میں

۶۲

خدا معلوم کیا سحر تھا اس بت کی چتون میں　　چلے جاتی ہیں ان تک چشمکیں شیخ و برہمن میں

گلا گھٹنے لگا اب تنگ آیا ہوں گریباں سے　　جنوں نے واہ کیا پھانسی لگا دی میری گردن میں

بہت دستِ جنوں ڈگمگا یا جب تو کیا کرتے　　اتاریں بیڑیاں اور پہنے دوہری طوق گردن میں

کنکھیوں سے جو ہم کو بزم میں تم دیکھ لیتے ہو　　کھٹک جاتی ہیں کانٹے کی طرح ہم چشمِ دشمن میں

حجابِ نازِ بیجا یاسؔ جس دن بیچ میں آیا
اسی دن سے لڑائی ٹھن گئی شیخ و برہمن میں

۶۳

بندۂ فطرت مجبور ہوں مختار نہیں　　ہاں ندامت میں ہے اشک، جرم سے انکار نہیں

روشِ خامۂ قسمت کبھی ہموار نہیں　　گردشِ بخت ہے، اگر گردشِ پرکار نہیں

شش جہت میں ہے تری جلوۂ فیض کی دھوم　　کان مجرم ہیں مگر آنکھ گنہگار نہیں

اے زہے بخت کہ سر تیری امانت کے سوا
نشۂ دولت دنیا سے گرانبار نہیں

٦٤

موسمِ گل ہیں جو خاموش رہا کرتے ہیں
وہ بھی اک معنیٔ بے لفظ ادا کرتے ہیں

رسمِ دنیا نہ سہی فرض ادا کرتے ہیں
ہاتھ اٹھے یا نہ اُٹھے دل سے دعا کرتے ہیں

حضرتِ دل ہیں عجب ظالم مظلوم نما
گھر جلا کر کفِ افسوس ملا کرتے ہیں

دیکھنا یہ ہے کہ گرشتۂ سعیٔ باطل
کیا علاجِ دلِ دیوانہ منا کرتے ہیں

عمر بیداریٔ موہوم کے دھوکے میں کٹی
اب جو چونکے ہیں تو آپ اپنا گلہ کرتے ہیں

لذتِ مژدۂ فردا میں جو ہیں ڈوبے ہوئے
طعنۂ غفلتِ امروز سنا کرتے ہیں

دیکھکر دور سے مستقبلِ روشن کی جھلک
جان نظارۂ اوّل پہ فدا کرتے ہیں

بے اجل منزلِ فانوس پہ مرنے والے
جان کیا دیتے ہیں اک رسم ادا کرتے ہیں

موت مانگی تھی خدائی تو نہیں مانگی تھی
لے دعا کر چکے اب ترکِ دعا کرتے ہیں

ناخدا تیرے ارادوں میں خدا برکت دے
یا بس اک مرتبہ پھر قصدِ دعا کرتے ہیں

٦٥

دل لگانے کی جگہ عالمِ ایجاد نہیں
خواب آنکھوں نے بہت دیکھے مگر یاد نہیں

توبہ بھی بھول گئے عشق میں وہ مار پڑی
ایسے اوسان گئے ہیں کہ خدا یاد نہیں

تلملانے کا مزہ کچھ نہ تڑپنے کا مزہ
ہیچ ہے دل میں اگر درد خداداد نہیں

سرِ شوریدہ سلامت ہے مگر کیا کہئے
دستِ فرہاد نہیں، تیشۂ فرہاد نہیں

دشمن و دوست سے آباد ہیں دونوں پہلو
دل سلامت ہے تو گھر عشق کا برباد نہیں

کیا عجب ہے کہ دلِ دوست ہو مدفن اپنا
کشتۂ ناز ہوں میں کشتۂ بیداد نہیں

چشمِ عبرت میں کوئی خاک کا پتلا نہ بچا — سب کے سب ہیں نظری ایک پہ بھی صاد نہیں
نکہتِ گل کی ہے رفتار ہوا کی پابند — رُوح قالب سے نکلنے پہ بھی آزاد نہیں

فکرِ امروز نہ اندیشۂ فردا کی خلش
زندگی اُس کی جسے موت کا دن یاد نہیں

۶۶

خون کے گھونٹ بلا نوش پیے جاتے ہیں — خیر ساقی کی مناتے ہیں جیے جاتے ہیں
ایک تو درد ملا اوس پہ یہ شاہانہ مزاج — ہم غریبوں کو بھی کیا تحفے دیے جاتے ہیں
آگ بجھ جائے مگر پیاس بجھائی نہ بجھے — پیاس ہے یا کوئی ہوکا کہ پیے جاتے ہیں
دولتِ عشق بھی مانگے سے نہیں ملتی ہے — ایسے ہی اہلِ ہوس راند دیئے جاتے ہیں
نہ گیا خوابِ فراموش کا سودا نہ گیا — جاگتے سوتے تجھے یاد کئے جاتے ہیں
نشۂ حسن کی یہ لہر الٰہی توبہ — تشنہ کام آنکھوں ہی آنکھوں میں پیے جاتے ہیں
دل ہے پہلو میں کہ اُمید کی چنگاری ہے — ابتک اتنی ہے حرارت کہ جیے جاتے ہیں
ڈوبتا ہے نہ ابھرتا ہے سفینہ دل کا — دم الٹتا ہے مگر سانس لئے جاتے ہیں

کیا خبر تھی کہ یگانہ کا ارادہ یہ ہے
ڈوب کر پار اترنے کے لئے جاتے ہیں

۶۷

تو کیا ہمیں ہیں گنہگار حسنِ یار نہیں ؟ — لگاوٹوں کا گناہوں میں کیا شمار نہیں
بدل نہ جائے زمانے کے ساتھ نیت بھی ! — سنا تو ہو گا جوانی کا اعتبار نہیں
جو غم بھی کھائیں تو پہلے کھلائیں دشمن کو — اکیلے کھائیں گے ایسے تو ہم گنوار نہیں

کہو وہ بات دوہتّھی کہ یوں بھی ہو ووں بھی
زباں وہ کیا جو حقیقت کی پردہ دار نہیں

نہ جانیں بہتے پھریں گے کدھر یہ دشمن و دوست
بڑھا تو دل ہے وہ دریا کہ آر پار نہیں

کبھی حقیقتِ فردا سنو تو کان کھلیں
ندائے دل ہے کوئی دور کی پکار نہیں

یہ خودکشی بھی تری کھیل ہے مشیت کا
کچھ ایسی چلتی ہے جیسے چھری پہ دھار نہیں

سلامت آپکا یہ حسنِ لازوال مگر
ہم آج ہی کے ہیں۔ کل کے امیدوار نہیں

کریگا پرورشِ نخلِ آرزو کے دن
وہ بدنصیب جسے ذوقِ انتظار نہیں

یگانہ میر وہی ہے جو پہلے ہار چلے
جو ٹھن گئی ہے تو اب تابِ انتظار نہیں

۶۸

مستانہ رقص کیجیے گردابِ حال میں
بیڑا ہی پار ڈوب کے اپنے خیال میں

دیکھے جو حسنِ دوست کو شانِ جلال میں
آجائے آفتابِ قیامت زوال میں

مارا فریبِ حسن کا پنپے تو جانیئے
کتنے خدا رسیدہ پڑے اس وبال میں

ہاں کیوں نہ پار اتر چلوں خمیازہ جھیل کر
ڈوبے مری بلا عرقِ انفعال میں

ترسی ہوئی نگاہوں پہ اب رحم کیجیے
کب تک یہ امتیاز حرام و حلال میں

کھٹکا لگا نہ ہو تو مزہ کیا گناہ کا
لذت ہی اور ہوتی ہے چوری کے مال میں

کیا زندگی کے بعد بھی ہے کوئی زندگی؟
پھر جان آچلی چمنِ پائمال میں

آوازِ بازگشت پہ کیا دیتے ہو صدا؟
کس سے الجھ رہے ہو جواب و سوال میں؟

واللہ قفس میں آتے ہی کیا ہمت پلٹ گئی
آخر ہمیں تو ہیں کہ پھڑکتے تھے جال میں

ہوش و خردِ حقیقتِ روشن کہیں جسے
ہے اک جھلک سی پردۂ صد احتمال میں

مستِ اَنا بھلے کو ہمیسر نہ بن گیا — سوجھی تو خوب نشّۂ بے اعتدال میں
واللہ نگاہِ شوق کی معراج ہے یہی — وہ خواب دیکھئے جو نہ آئے خیال میں
ممکن کی آرزو میں موے کتنے نامُراد — اچھی گذر گئی مری فکرِ محال میں

کیا بزمِ اتحاد ہے کیا حُسنِ اتفاق
بیگانہ و یگانہ ہیں سب ایک حال میں

۶۹

آہ یہ بندۂ غریب آپ سے لَو لگائے کیوں — آنہ سکے جو وقت پر وقت پہ یاد آئے کیوں
دوست کے انتظار میں دوست کو نیند آئی کیوں — ٹوٹے امید پاتے ہی رنگ بدل نہ جائے کیوں
مژدۂ مرگِ نوجواں آج ہی کیا ضرور تھا؟ — آج تو دن ہے عید کا آج قیامت آئے کیوں
کلمہ پڑھوں تو کیوں پڑھوں کس کی نظر پہ کیوں چڑھوں — یادِ خدا تو دل سے ہے دل سے زباں تک آئے کیوں
لاکھ عتاب کا جواب ایک خلوصِ بندگی — چینِ جبینِ دوست کو دھیان میں کوئی لائے کیوں
اپنے خیال میں ہے خوش، دل کی ضدیں تو دیکھئے — آپ سے دور کیوں رہے آپ کے پاس جائے کیوں
خواب و خیال ہے ہو پاک نیند وہی ہے میٹھی نیند — نقشِ خیال نیک و بد نیند میں رنگ لائے کیوں
عیب سے خالی کون ہے حسن کے دل سے پوچھئے — اہلِ نظر کے سامنے آنکھ جھپک نہ جائے کیوں
منھ جو ذرا اُتر گیا اور بھی گُل میں گُل کھلا — یوں ہی بقدرِ ذائقہ حُسن بھی غم نہ کھائے کیوں
دید کی التجا کروں، تشنہ ہی کیوں نہ جان دوں؟ — پردۂ ناز خود اٹھے دستِ دعا اٹھائے کیوں

بھول بھی جا بھلا بھی دے یاد نہ کر خدا کو مان
تیری زباں پہ بار بار نامِ یگانہ آئے کیوں

۷۰

دل ایک ہی فتنہ ہے لیکن بیدار نہیں تو کچھ بھی نہیں
ہاتھ میں کس بل لاکھ سہی تلوار نہیں تو کچھ بھی نہیں

اپنی ڈفلی اپنا راگ اپنی دوڑ ہے اپنی بھاگ
کہنے میں بات آتی ہے سردار نہیں تو کچھ بھی نہیں

کیا کیا چوٹیں لیتا ہوں اور کیا کیا خالی دیتا ہوں
دیکھنے والے پسِ پردہ سرکار نہیں تو کچھ بھی نہیں

چپکے چپکے ریشہ دوانی یہ بھی کوئی پٹیتی ہے؟
للکار نہیں تو کچھ بھی نہیں جھنکار نہیں تو کچھ بھی نہیں

حجام ہو چلا ہے تلوار یا اک بال تو ٹیڑھا کر دیکھئے
اوزار نہیں تو کچھ بھی نہیں ہتھیار نہیں تو کچھ بھی نہیں

کلمہ پڑھکے ایسے ویسے کتنے مسلماں بن بیٹھے
بات یہ کچھ دشوار نہیں دشوار نہیں تو کچھ بھی نہیں

محرابوں میں سجدہ واجب حسن کے آگے سجدہ حرام
ایسے گنہگار دل پہ خدا کی مار نہیں تو کچھ بھی نہیں

دل سے خدا کا نام لئے جا، کام کئے جا دنیا کا
کافر ہو دیندار رہو دنیا دار نہیں تو کچھ بھی نہیں

جتنے کھنچتے جاؤ گے اتنا ہی پٹتا جاؤں گا
انکار کی لذت، آہاہاہا انکار نہیں تو کچھ بھی نہیں

کہو تو تنہا جی کے دکھا دوں۔ دست بدل یا دست بکار:

ہاں مگر اپنے گوشۂ دل میں یار نہیں تو کچھ بھی نہیں
ایک جھلک ہی دکھلا دے تو دُور سے جھک کے سلام کروں
اُس پار جگت کے ہوگا کوئی۔ اس پار نہیں تو کچھ بھی نہیں
دل شکنی یا بُت شکنی تو یاد ہے ابتک یاروں کو
دستِ یگانہ تیرے گلے کا ہار نہیں تو کچھ بھی نہیں

۷۱

موجِ ہوا سے خاک اگر آشنا نہ ہو
دنیائے گرد و باد کی نشو و نما نہ ہو
صورت نہ بگڑے جلوۂ بے معنئ حباب
قطرہ اگر اسیرِ طلسمِ ہوا نہ ہو
دل کو جلا کے سرمۂ بینش بنائیے
آنکھوں سے معرفت کا اگر حق ادا نہ ہو
ایسا نہ ہو کہ تھک کے کہیں بیٹھ جائے دل
دیر و حرم میں گم نگہِ نارسا نہ ہو
سجدہ وہ کیا کہ سر کو جھکا کر اٹھا لیا
بندہ وہ ہے جو بندہ ہو بندہ نما نہ ہو
آمین تک زبان سے نکلتی نہیں، یہ کیا
مغرور اتنا اے دلِ بے مدعا نہ ہو
احسان کس کا مانئے کس کا نہ مانئے؛
پردے میں ناخدا کے کوئی دوسرا نہ ہو
امیدِ صلح کیا ہو کسی حق پرست سے
پیچھے وہ کیا ہٹے گا جو حد سے بڑھا نہ ہو
دل نشۂ خودی میں پڑا جھومتا ہے کیا؟
زور آزمائی کو کوئی وہ اُٹھ کھڑا نہ ہو
پچھلا پہر ہے، کاتبِ اعمال ہوشیار
آمادۂ گناہ کوئی جاگتا نہ ہو
پار اُترے کیا دو آبۂ امید و بیم سے
جبتک یگانہ دل کو یقینِ خدا نہ ہو

۷۲

تارِ نظر نے باندھ لیا ہے بہار کو — نیرنگئی تصوّرِ بے اعتبار کو
دے کچھ تو دادِ طبعِ ندامت شعار کو — کیا دیکھتا ہے لغزشِ بے اختیار کو
اللہ رے اختیار، کہ آمادہ کر لیا — فکرِ محال پر دلِ بے اختیار کو
بیچارے بدنصیب، گرفتارِ آشیاں — کیا جانیں گرم و سردِ خزان و بہار کو
یاد آئی آشیانۂ پُر خار کی خلش — دل ڈھونڈتا ہی پھر اسی اُجڑے دیار کو
خانہ خرابِ عشق نے دل میں پناہ لی — دارالاماں سمجھ کے اِس اجڑے دیار کو
دل نے بزورِ عشق لگایا ہے راہ پر — گم گشتگانِ غمکدۂ روزگار کو
سہو و خطا ودیعتِ فطرت سہی مگر — سمجھاؤں کیا ضمیرِ ملامت شعار کو
میزانِ عدل آئی اب ایسوں کے ہاتھ میں — کانٹوں سے تولتے ہیں جو پھولونکے ہار کو
کچھ ہوش ہو تو آنکھوں ہی آنکھوں میں تو لئے — آغازِ پُر فریب سے انجامِ کار کو
بادِ سحر کجا۔ پر پروانہ شام سے — بھڑکا رہے ہے تجھے شعلۂ بے اختیار کو
دیدار تو دکھائے کہیں صبحِ منتظر — حاضر ہے سر بھی سجدۂ بے اختیار کو
بیگانہ وار ایک ہی رُخ سے نہ دیکھئے — دُنیا کے ہر مشاہدۂ ناگوار کو

ساحل کہاں دو آبۂ امید و بیم کا
تہ پر بٹھا دو یاس دلِ بے قرار کو

۷۳

نظر آئیگا کیا ظلمت کدہ میں چشمِ حیراں کو — اندھیرے کا اُجالا جانئے خوابِ پریشاں کو
دلِ بیدار گھبرائے نہ کیوں اس اندھی نگری میں — نگاہیں ڈھونڈتی ہیں اک دیارِ بے شبستاں کو

یہ کس نے گرم رفتارِ فنا کی راہ کھوٹی کی — بٹھا کر پردہ فانوس میں شمعِ شبستاں کو

دلِ دیوانہ مجھکو کس بلا کے بن میں لے آیا — اسی میں خیر ہے پھر بے چلا اُلٹے پاؤں زنداں کو

نرا دیوانہ کیوں آزادیٔ موہوم کی دھن میں — سر اپنا آپ پھوڑے ہو توڑ کر زنجیرِ احساں کو

طلسمِ رنگ و بو کیسا فریبِ آرزو کیسا — اٹھا کر رکھدیا جب طاقِ نسیاں پر گلستاں کو

اسیروں کی یہ خاموشی کسی دن رنگ لائیگی — قفس سے چھوٹ کر سر پر اٹھا لیں گے گلستاں کو

مزاجِ حسن بدلے آسماں بدلے زمیں بدلے — سزائے عشق کیا بدلے گی ذوقِ ناپشیماں کو

سراپا غرق ہو کر لذتِ حرکِ تماشا میں — دکھاؤں گا تماشا ایک دن حسنِ پشیماں کو

مبارک ہو مبارک ساحلِ رحمت پہ دم لینا — قدم مارا تو ڈر کیا ہے جا دریائے عصیاں کو

گرفتارانِ ساحل کو ڈپڑتے ڈر نکل جاتا — کبھی تو زیست مشکل آزماتی مرگِ آساں کو

گناہ بے حقیقت کو قلم نے کتنا چمکایا — پھڑک اٹھتا ہوں میں جب دیکھتا ہوں فردِ عصیاں کو

ارادہ سے عمل تک کچھ تو اپنا دسترس ہوتا
بغل میں پالتے کیوں پاس دل سے دشمنِ جاں کو

۴۷

بہارِ زندگی ناداں بہارِ جاوداں کیوں ہو
یہ دنیا ہے تو ہر کروٹ وہی آرامِ جاں کیوں ہو

خدارا میرے اُن کے اور کوئی درمیاں کیوں ہو
پیمبر کیوں بنے آخر کسی کا رازداں کیوں ہو

کبھی جلوہ دکھانے ہو تو آئینہ درآئینہ
کھلا پردہ سہی پھر بھی یہ پردہ درمیاں کیوں ہو

مرے دل میں سما کر دیکھ اپنے حسن کا عالم
کسی آئینہ خانے پر نگاہِ امتحاں کیوں ہو

کوئی ناگفتنی مطلب ہے ان نیچی نگاہوں کا
زباں تک آ نہیں سکتا تو آنکھوں سے بیاں کیوں ہو

گنہگارِ محبت کو اسی عالم میں رہنے دے
سزا واجب سہی لیکن بہشتِ جاوداں کیوں ہو

مرے ہوتے غریبوں کو ستانا اور پچھتانا
تمھیں دردِ پشیمانی نصیبِ دشمناں کیوں ہو

جلایا ایسے ویسوں کو جبھی تو ناک میں دم ہے
ہم ایسے خاکساروں کو تپاؤ تو دھواں کیوں ہو

جفا کو ہم وفا سمجھے۔ نہیں تو چل بسے ہوتے
مگر وہ پوچھتے کیا ہیں کہ تم اب تک جواں کیوں ہو

مزہ جب ہے کہ رفتہ رفتہ امیدیں پھلیں پھولیں!
مگر نازل کوئی فضلِ الٰہی ناگہاں کیوں ہو

ریاضت سے جو حاصل ہو وہی سچی مسرت ہے
میسر آ سکے صاحب تو ان داموں گراں کیوں ہو

مرا دشمن خود اپنی موت، تو نے تو نہیں مارا
کوئی مردِ عمل جھوٹی خوشی پر شادماں کیوں ہو

بشر ہوں میں فرشتہ کیوں بنوں ؛ جیسا ہوں اچھا ہوں
بغاوت اپنی فطرت سے نصیبِ دشمناں کیوں ہو

زمانہ لاکھ گم ہو جائے آپ اپنے اندھیرے میں
کوئی صاحب نظر اپنی طرف سے بدگماں کیوں ہو

یہ ناہموار ہی ہموار ہو جائے تو کیا کم ہے
زمیں سے جب نہیں فرصت تو فکرِ آسماں کیوں ہو

ارے یہ کیا کہ چاہوں بھی تو حق سے پھر نہیں سکتا
خود اپنے ہاتھوں گمراہی کی کوشش رائیگاں کیوں ہو

سمجھ میں کچھ نہیں آتا پڑھے جاؤں تو کیا حاصل
نمازوں کا ہے کچھ مطلب تو پردیسی زباں کیوں ہو

کہیں رسمی عبادت روح کو بیدار کرتی ہے
نمازِ بے عمل سے حقِ مذہب رائگاں کیوں ہو

اک آنکھیں ہیں کہ تکتی ہیں کسی کو ٹکٹکی باندھے
یہاں سر ہے نہ سودا ہو تو سجدوں کا نشاں کیوں ہو

تجھی سے اُڑ چلے ہیں پر لگا کر خاک کے پُتلے
خداوندا زمیں سے پست اتنا آسماں کیوں ہو

کہاں خواب و خیال اتنے ؛ حقائق ہر طرف جتنے
نگاہِ نارسا یہ نقدِ فطرت رائگاں کیوں ہو

۷۵

برابر بیٹھنے والے بھی کتنے دور تھے دل سے / مرا ماتھا جبھی ٹھنکا قریبِ رنگِ محفل سے

ارادے نے عمل کی راہ پائی کتنی مشکل سے / الٰہی خیر- لو ہم لگ گئے پہلی ہی منزل سے

نہ ترکِ اختیار آساں نہ ضبطِ اضطرار آساں / کوئی ایسا بھی ہے پیاسا پلٹ آئے جو ساحل سے

ہوائے غیب لہراتی ہے دل کو دیکھئے کیا ہو؟ / کششِ منجدھار کی کس دن لگا دے جا ساحل سے

مشیت اپنی تو جانے کوئی گم گشتہ کیا جانے؟ / اُلجھتا جائے رہزن سے بھٹکتا جائے منزل سے

ادھر کو مان لوں برحق زمانہ ساتھ دے جس کا؟ / زمانہ وہ جسے مطلب کوئی حق سے نہ باطل سے!

ریاکاری سلامت، ہاتھ سچا پڑ نہیں سکتا / جبھی تو یار جنگِ زرگری رہتی ہے قاتل سے

ہوس کتنی اٹھی، اتنا کتنا جداگانہ! / تمہاری سی ہنسی ہنستا کوئی کیونکر یہ دل سے

کمالِ عشق کس دُھن میں انا لیلیٰ پکار اُٹھا / گریباں پھاڑ کر وہ بھی نکل آئے نہ محمل سے

مزاجِ حسن میں بھی درد پیدا ہو چلا شاید / پھڑک اٹھتا تھا ظالم پہلے کیا کیا رقصِ بسمل سے

جزائے خیر دے اللہ اس دیرینہ دشمن کو / بلائے زندگی لپٹی ہے اب تک نیم بسمل سے

تمیزِ رنگ و بو بھی حیرتِ دیدار کے صدقے / کوئی کیا جانے میں حاضر ہوں یا غائب ہوں محفل سے

دلِ طوفاں شکن تنہا جو آگے تھا سو اب بھی ہے / بہت طوفان ٹھنڈے پڑ گئے ٹکرا کے ساحل سے

ٹھہر جانا اشارے پر، نہیں آگے نکل جانا
یگانہ سے تجھے مطلب کہ راہ و رسمِ منزل سے

۷۶

نظارہ پہ کیا گزری آشوبِ تماشا سے
ہوش آتے ہی دیوانے کھوئے گئے دنیا سے

دیوانے ہوں شرمندہ کیوں چشمِ تمنا سے
اللہ ری خود بینی باز آ گئے لیلےٰ سے

دن بھر تو یہ پروانے جیتے تھے نہ مرتے تھے
کیا کیا نہ اٹھے فتنے اک شعلۂ تنہا سے

دل اپنا جلاتا ہوں کعبہ تو نہیں ڈھاتا
اور آگ لگاتے ہو کیوں تہمتِ بیجا سے

تہ چاٹتا جاتا ہے یہ زور ہے دھارے کا
ٹکرا کے پلٹ آئیں موجیں لبِ دریا سے

اَے رہزنِ بے پروا مشکل مری آساں کر
کیوں آنکھ پھراتا ہے گم گشتۂ تنہا سے

ذرہ بھی ہے اِک عالم انوارِ الٰہی کا
ادنیٰ ہی سہی لیکن نسبت تو ہے اعلیٰ سے

حیراں ہیں نظر والے بیتاب ہیں دل والے
کچھ رنگِ تماشا سے کچھ بوئے تمنا سے

کیوں دل کا کنول آخر لہراتا ہے رہ رہ کر
جھونکا کوئی آ پہونچا کیا عالمِ بالا سے

کیا اپنے تئیں دیکھیں کیا ہو گئے اور کیا تھے
رفتارِ نظر عاجز، رفتارِ تماشا سے

جو دم ہے غنیمت ہے کیا جانئے کل کیا ہو
اک دور کی نسبت ہے امروز کو فردا سے

دنیا کی ہوا کھا کر کیا دُند مچائی تھی
بیٹھے ہو یگانہ اب کیوں بزم میں تنہا سے

۷۷

کس کے دم کی روشنی زندانِ آب و گل میں ہے
کون سا تنہا نشیں وحدت سرائے دل میں ہے

سوچتا ہوں جب تو میں ہی میں ہوں اور کوئی نہیں
ہو نہ ہو کچھ بھید اس اندیشۂ باطل میں ہے

صبح و شامِ زندگی خوابِ پریشاں ہی سہی
کچھ حقیقت کا بھی جلوہ، جلوۂ باطل میں ہے

کیسے کیسے دل زدہ آوارۂ صحرا ہوئے
روئے لیلیٰ جسطرح محمل میں تھا محمل میں ہے

گرم رفتاری پہ گمراہوں کو کیا کیا ناز ہیں — کون سمجھے یہ دلِ آگاہ کس منزل میں ہے
الوداع اے ناخدا، نامحرمِ رازِ فنا — گوہرِ مقصود دریا میں ہے یا ساحل میں ہے!
بارہا ساحل پہ غوطے کھانے والے باز آ — ڈوب مرنے کا مزہ دریا کے بیچ ساحل میں ہے
شامِ غربت بھی ہے روشن واہ ری یادِ وطن — یاد کیا ہے اک اندھیری کا اُجالا دل میں ہے
کھیل ہے حُسنِ نظر کا، شمع کیا پروانہ کیا؟ — دل ہے جبتک دل ابھی تک روشنی محفل میں ہے

انجمن میں چاہے وہ حاضر نہ ہوں غائب سہی
دل یہ کہتا ہے یگانہ کی جگہ ہر دل میں ہے

۶۸

کیوں کسی سے وفا کرے کوئی — دل نہ مانے تو کیا کرے کوئی
موت بھی آ نہ سکی منہ مانگی — اور کیا التجا کرے کوئی
مفلسی میں مزاج شاہانہ — کس مرض کی دوا کرے کوئی
عشق بازی کی انتہا معلوم — شوق سے ابتدا کرے کوئی
کوہکن اور کیا بنا لیتا؟ — بن کے بگڑے تو کیا کرے کوئی
دردِ دل پھر کہیں نہ کروٹ لے — اب نہ چونکے خدا کرے کوئی
ہنس بھی لیتا ہوں اوپری دل سے — جی نہ بہلے تو کیا کرے کوئی
اپنے دم کی ہے روشنی ساری — دیدۂ دل تو وا کرے کوئی
شمع کیا، شمع کا اجالا کیا؟ — دن چڑھے ہے سامنا کرے کوئی

غالب اور میرزا یگانہ کا
آج کیا فیصلہ کرے کوئی

۷۹

خدا کی مار وہ ایامِ شور و شر گذرے
وہ جن سوار تھا سر پر کہ سر سے در گذرے

مرے فرشتے بھی شاید ہیں آپ کے جاسوس
کہ آہ کرتے ہی پرچہ لگے خبر گذرے

حلال بھی مرے حق میں حرام واویلا
نگاہِ شوق سے کیا کیا گل و ثمر گذرے

جو سبز باغِ تمنا پہ پھیر دے پانی
خدا بچائے ہم ایسی نظر سے در گذرے

نکالے عیب ہیں سو حسن جس میں سو عیب
خیال ہی تو ہے جیسا بندھے جدھر گذرے

زمین پاؤں تلے سے نکل گئی تو کیا
ہم اپنی دھن میں زمانے سے بے خبر گذرے

خدا کے بعد بھروسا ہے حضرتِ دل کا
خدانخواستہ شک ایسی دوست پر گذرے

مزہ نہ پوچھئے واللہ دل دکھانے کا
کہاں کا خوفِ خدا ٹھان لی تو کر گذرے

ادب کے واسطے کتنوں کے دل دکھائے ہیں
یگانہ حد سے گذرنا نہ تھا مگر گذرے

۸۰

نہ جانے کیا ہو یہ دیوانہ جس جگہ بیٹھے
خودی کے نشہ میں کچھ ان کہی نہ کہہ بیٹھے

سنبھل کے توڑئے تلوار، دیکھئے ہتیار
کہیں کلائی پہ دستِ ہوس نہ گہہ بیٹھے[1]

کہیں کے رہتے نہ آوارگانِ بد آغاز
قدم قدم پہ خطا پائی جب تو وہ بیٹھے

مثالِ خس جو ذرا تیر دل میں بہ گئے تو کیا
اوسی کے گہری ہیں یاں ڈوبکر جو تہ بیٹھے

معاملہ ہے دلِ دوست کا بڑا نازک
کروں جو آہ تو گردِ نفس کی نہ بیٹھے

امید وار ہیں احسانِ دوست کے ہم بھی
وفا کی داد نہ دی بے وفا ہی کہہ بیٹھے

[1] گہہ بیٹھے ٹھیٹھ ہندی کا محاورہ ہے یعنی ایسی گرفت کہ چھڑائے نہ چھوٹے۔ ہندی شاعر کہتا ہے۔۔۔
"شیام رے موری بہیاں گہو نا"

یگانہ آپ کی بالا روی کے کیا کہنے
مجال کیا ہے جو دامن پہ گرد رہ بیٹھے

۸۱

حسن پر فرعون کی پھبتی کہی
ہاتھ لانا یار کیوں کیسی کہی

دامنِ یوسف ہی بھبڑ کا تار ہا
عشق اور ترکِ ادب اچھی کہی

کون سمجھائے کہ دنیا گول ہے
آپ نے جیسی سنی ویسی کہی

کوئی ضد تھی یا سمجھ کا پھیر تھا
من گئے وہ ہم نے جب الٹی کہی

درد سے پہلے کر دل فکرِ دوا
واہ یہ اچھی الٹوا نسی کہی

دوست سے پردہ کیا یہ کیا کیا
آپ بیتی چھوڑ جگ بیتی کہی

شک ہے کافر کو مرے ایمان میں
جیسے میں نے کوئی منہ دیکھی کہی

کیا خبر تھی یہ خدائی اور ہے
ہائے ہم نے کیوں خدا لگتی کہی

مفت میں سن لی یگانہ کی غزل
ان سنی کر دی جو مطلب کی کہی

۸۲

کس دل سے ترکِ لذتِ دنیا کرے کوئی
وہ خوابِ دلفریب کہ دیکھا کرے کوئی

کیا سہل ہے کہ ترکِ تماشا کرے کوئی
دل سے نہ ہو تو آنکھ سے توبہ کرے کوئی

غنچہ کے دل میں کچھ نہ تھا اک آہ کے سوا
پھر کیا شگفتگی کی تمنا کرے کوئی

آنکھیں ہوں سب جسکے آنکھوں ہی آنکھوں میں تاڑ لے
درد اپنا وہ نہیں کہ ٹٹولا کرے کوئی

دلِ مضطرب، نگاہ گرفتارِ شش جہت
فرمائیے کدھر کا ارادہ کرے کوئی

یادش بخیر، یادِ خدا آہی جاتی ہے
اپنی طرف سو لاکھ بھلایا کرے کوئی

اُسکی نگاہِ شوق کے قربان جائیے
تجھ ایسے بے نشان کو جو پیدا کرے کوئی

طاعت ہو یا گناہ، پسِ پردہ خوب ہے
دونوں کا جب مزہ ہے کہ تنہا کرے کوئی

بندے نہ ہوں گے جتنے خدا ہیں خدائی میں
کس کس خدا کے سامنے سجدہ کرے کوئی

حسنِ یگانہ آپ ہی اپنا حجاب ہے
حسنِ حجاب دور سے دیکھا کرے کوئی

۸۳

اتنا تو زندگی کا کوئی حق ادا کرے
دیوانہ وار حال پہ اپنے ہنسا کرے

کیوں یار تو ہی دل سے بھلا دے تو کیا کرے
بندہ ترا دعا نہ کرے بد دعا کرے

ایسی جھکی ادھر کہ نہ اٹھی کسی طرف
دزدیدہ وہ نگاہ کہاں تک وفا کرے

کس منہ سے ہنس پڑے تھے ہم انجامِ حسن پر
کون اس گناہ گار کے حق میں دعا کرے

جاتی ہے کس کی پیش تری بارگاہ میں
البتہ کوئی گونگی زباں التجا کرے

سرکار ہاتھ اٹھائیے میرے سلام سے
اٹھتے ہی دستِ شوق مبادا خطا کرے

کیا پوچھتے ہو عشق کا جن ہے وہ بد بلا
تم پر سوار ہو تو خدا جانے کیا کرے

مذہب کے ساتھ ساتھ ہے شیطان کا بھی ڈر
دیوانہ تیرا ایک نہ مانے خدا کرے

آنکھوں کے آگے پھر کوئی پردہ سا اٹھ چلا
شاید امید وہم میں پھر مبتلا کرے

ہاتھ آئے کوئی چاند ستارہ تو جانیئے
ہے عرش پر دماغِ فلاطوں ہوا کرے

رفتارِ زندگی میں سکون آئے کیا مجال
طوفاں ٹھہر بھی جائے تو دریا بہا کرے

پھر میری بندگی نہ یگانہ کی صاحبی
صاحب وہ کیا جو بندے سے اپنے دغا کرے

۸۴

زمانہ خدا کو خدا جانتا ہے — یہی جانتا ہے تو کیا جانتا ہے
اسی میں دل اپنا بھلا جانتا ہے — کہ اک ناخدا کو خدا جانتا ہے
وہ کیوں سر کھپائے تری جستجو میں — جو انجامِ فکرِ رسا جانتا ہے
وہی منہ چھپانا وہی لن ترانی — تو اس کے سوا اور کیا جانتا ہے
خدا ایسے بندے سے کیوں پھر نہ جائے — جو بیٹھا دعا مانگنا جانتا ہے
فرشتوں کی پرواز کو مانتا کیا؟ — جو دل کی تڑپ کو رسا جانتا ہے
وہ کیوں پھول توڑے وہ کیوں پھول سونگھے — جو دل کا دکھانا برا جانتا ہے
برائی میں تو دیکھتا ہے بھلائی — تو کیا بوم کو بھی ہما جانتا ہے
جسے موت مانگے نہ ملتی ہو واللہ — وہی زندگی کا مزہ جانتا ہے
کدھر جا رہا ہے ترا خوں گرفتہ؟ — مگر غیب کا راستہ جانتا ہے
نہ ہے سہوِ کاتب کہ سارا زمانہ — مجھی کو سراپا خطا جانتا ہے
انوکھا گنہگار، یہ سادہ انسان — نوشتہ کو اپنا کیا جانتا ہے!

یگانہ تو ہی جانے اپنی حقیقت
تجھے کون تیرے سوا جانتا ہے

۸۵

کیوں ہوش میں پھر آیا کیوں ہاتھ مل رہا ہے
حد سے گزرنے والے تیری یہی سزا ہے

صورت ہی ایسی پیاری دیکھو تو رال ٹپکے
فطرت کا اقتضا ہے بندے کی کیا خطا ہے؟

آئینہ ہو گا ٹیڑھا ایسا تو میں نہیں ہوں
دن دیکھنے یہ دھو کا اِک طرفہ ماجرا ہے

یک جان اور دو قالب ہونگے تو دو بھی ہوں گے
وہ میں جو تیسرا ہے آنکھوں کا ٹھیکرا ہے

تو حسن کا ہے دیوتا میں عشق کا پیمبر
دیکھیں تو کون اپنے سانچے میں ڈھالتا ہے

آغوش میں اب اُن کو کیا کھینچتی ہے دُنیا
بیگانگی نے جن کو اپنا بنا لیا ہے

منزل کی فکر کیوں ہو جب تو ہو اور میں ہوں
پیچھے نہ پھر کے دیکھوں کعبہ بھی ہو تو کیا ہے

دستِ دعا سے اٹھا پردہ جو درمیاں تھا
اٹھتی ہے آنکھ کیونکر اب یہ بھی دیکھنا ہے

غواصِ رمزِ فطرت ساحل کے پاس پہلے
غوطے لگا رہا تھا اب غوطے کھا رہا ہے

جانِ آتے آتے اک دن آجائے تو عجب کیا

اُمید کا خیالی پتلا تو بن چکا ہے

کیوں آپ سے یگانہ بیگانہ ہے زمانہ
"غالب شکن"[۱] جو ٹھہرے پھر پوچھنا ہی کیا ہے

٨٦

حاصلِ فکرِ نارسا کیا ہے؟ — تو خدا بن گیا، بُرا کیا ہے
کیسے کیسے خدا بنا ڈالے — کھیل بندے کا ہے خدا کیا ہے
آئی کو ٹال دے جبھی جانیں — دم بخود ہے تو پھر خدا کیا ہے
دل ہے اپنی جگہ خدا اپنا — ہم غریبوں کا آسرا کیا ہے
دردِ دل کی کوئی دوا نہ دعا — یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے
لد گئی کل کی بات کل گیا تھا — یاد آئے تو اب مزہ کیا ہے
نہ سنا ہو گا راگ فطرت کا — جانتے ہو مری صدا کیا ہے
وہی نیرنگیٔ طلسمِ ہوا — موج کیا اور بلبلا کیا ہے
دیدۂ دل سے دیکھ اپنی طرف — چشمِ حیراں تجھے ہوا کیا ہے
نور ہی نور ہے کہاں کا ظہور — اٹھ گیا پردہ اب رہا کیا ہے
رہنے دے حُسن کا ڈھکا پردہ — وقت بے وقت جھانکتا کیا ہے
عکس میرا بھی پڑ گیا ناگاہ — ارے آئینہ کی خطا کیا ہے
وقت کی بات اور وقت کے ہاتھ — ہو گیا جرم بے خطا کیا ہے

۱۔ غالب شکن: یگانہ کی ایک کتاب کا نام ہے جس نے ایک ہلچل مچا دی تھی۔

زہر میٹھا نہ ہو تو زہر ہی کیا　　دوست جب دے تو پوچھنا کیا ہو
کیا ٹلے گی مشیتِ ازلی　　اک تسلی سی ہے دعا کیا ہے

اپنے ہی عکس پر ہو چیں بہ جبیں
کیوں یگانہ یہ ماجرا کیا ہے

۸۷

فریبِ نفس کا جب احتمال ہوتا ہے　　تو فرقِ عشق و ہوس بھی محال ہوتا ہے
بقدرِ حوصلہ ملتی ہے دادِ عشق و ہوس　　مزاجِ حسن میں کیا اعتدال ہوتا ہے
یہ عیب ہے کہ مٹائے سے مٹ نہیں سکتا　　وہ حسن ہو جو سریع الزوال ہوتا ہے
یہ کیا صفت ہے کہ ایک ایک خاک کا پتلا　　جہاں میں آپ ہی اپنی مثال ہوتا ہے
نئی زمین نیا آسماں نئی دنیا　　عجیب شے یہ طلسمِ خیال ہوتا ہے
کتابِ عمر ہے گویا انیسِ تنہائی　　نظر میں قصۂ ماضی و حال ہوتا ہے
خراب ہو چلی رندانِ آب و گل کی ہوا　　اب ایک سانس بھی لینا محال ہوتا ہے
امید و بیم کا کوسوں پتہ نہیں ملتا　　خراب جب یہ طلسمِ خیال ہوتا ہے
خدا میں شک ہو تو ہو موت میں نہیں کوئی شک　　مشاہدہ میں کہیں احتمال ہوتا ہے
بھڑکتی جاتی ہے شوقِ فنا میں شمع کی لو　　نسیمِ صبح سے اور اشتعال ہوتا ہے
زلال دور میں دونوں وائے دردِ خمار　　بس ایک گھونٹ میں چہرہ بحال ہوتا ہے
قفس میں ذکرِ نشیمن گناہِ بے لذت　　نہ ہم زباں نہ کوئی ہم خیال ہوتا ہے
بہارِ عمرِ گزشتہ پہ بھیجئے صلوات　　خزاں میں ذکرِ خزاں حسبِ حال ہوتا ہے

خزاں کی ضد پہ یہ اندھی ہے باغباں سنکر — چمن کو آگ لگا کر پشیماں ہوتا ہے

نگاہِ یاس سے اوجھل ہے کاروانِ عدم
جرس کے شور سے دل پائمال ہوتا ہے

۸۸

ارے یہ کھیل ہیں یا فتنہ کار قدرت کے — نکل سکے نہ کوئی دو بھی ایک صورت کے

دکھائی خواب پریشان نے سیرِ نیرنگ — بھرم کھلے نہ طلسماتِ بے حقیقت کے

ہمیشہ منتظرِ انقلاب رہتے ہیں — مزاجداں ہیں جو ہنگامہ رازِ فطرت کے

بلند و پست برابر ہیں اپنی آنکھوں میں — خیالِ خام ہے یا ولولے ہیں ہمت کے

ٹھٹک رہے حرم و دیر کے دوراہے پر — خلاف جا نہ سکے شاہ راہِ فطرت کے

دکھائی موت نے تصویرِ وعدۂ فردا — ہوائے شوق نے پردے اٹھائے غفلت کے

گلا نہ کاٹ سکے اپنا دل لئے ناکامی — پہاڑ کٹتے ہیں روز و شب مصیبت کے

وطن تو کیا ہے ہوائے وطن سے ہیں بیزار — لپٹ رہے جو بگولوں سے دشتِ غربت کے

زمیں پہ نور کے پتلوں کی کیوں ڈھیری دی ہے — کفن نے تو سمجھنا دھنی تھے قسمت کے

سعادتِ ابدی ہے مشیّتِ ازلی — ہوں فضول بھروسے یہ حسنِ خدمت کے

اسی نے ناک کیا تھا اسی نے پاک کیا — خوش النصیب جو پلے پڑے محبت کے

نگاہِ یاس ہے آئینۂ غمِ فردا
نظر کے سامنے ساماں ہیں قیامت کے

۸۹

لپٹی ہے بہت یادِ وطن جب دامنِ دل سے — پلٹ کر اک سلام شوق کر لیتا ہوں منزل سے

۸۹

نظر آئے جب آثارِ جدائی رنگِ محفل سے | نگاہِ یاس بیگانہ ہوئی یارانِ یکدل سے

ابھرنے کے نہیں بحرِ فنا میں ڈوبنے والے | دُرِ مقصود ہی گم ہو تو پھر کیا کام ساحل سے

تصورِ لالہ و گل کا خزاں میں بھی نہیں ہٹتا | نگاہِ شوق وابستہ ہے اب تک نقشِ باطل سے

نہیں معلوم کیا لذت اٹھائی ہے اسیری میں | دلِ وحشی پھڑک اٹھتا ہے آوازِ سلاسل سے

کسی شیشے میں نہ ہوگی بادۂ عرفاں کی گنجائش | لڑا لے ساغرِ جم کو بھی کوئی شیشۂ دل سے

تصور نے دکھایا شاہدِ مقصود کا جلوہ | اتر آئی ہے لیلیٰ سرزمینِ دل پہ محمل سے

رہے گی چار دیوارِ عناصر درمیاں کب تک | اٹھے گا زلزلہ اک دن اسی بیٹھے ہوئے دل سے

کہاں تک پردۂ فانوس ہو سر کی بلا ٹلتی | ازل سے لاگ تھی بادِ فنا کو شمعِ محفل سے

یہیں سے سیر کر لو یاسؔ اتنی دور کیوں جاؤ
عدم آباد کا ڈانڈا ملا ہے کوئے قاتل سے

۹۰

موت آئی آنے دیجئے پروا نہ کیجئے | منزل ہے ختم سجدۂ شکرانہ کیجئے

ناآشنائے حسن کو کیا اعتبارِ عشق | اندھوں کے آگے بیٹھ کے رویا نہ کیجئے

تہ کی خبر بھی لائے ساحل کے شوق میں | کوشش بقدرِ ہمتِ مردانہ کیجئے

دیوانہ وار دوڑ کے کوئی لپٹ نہ جائے
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے دیکھا نہ کیجئے

۹۱

دکھائی آج ہی آنکھوں نے صورتِ فردا | خزاں کی سیر بھی ہنگامۂ بہار میں ہے

غبار بن کے لپٹتی ہے دامنِ دل سے | مٹے پہ بھی وہی دل بستگی بہار میں ہے

ہنوز گوش بر آوازِ غیب ہے کوئی — امیدوارِ ازل ابتک انتظار میں ہے
دوا میں اور دعا میں تو اب اثر معلوم — بس اک امیدِ اثر ضبطِ ناگوار میں ہے

قسم ہے وعدۂ صبر آزمائے جاناں کی
کہ لذّتِ ابدی ہے تو انتظار میں ہے

۹۲

اپنی ہستی خود ہم آغوشِ فنا ہو جائیگی — موجِ دریا آپ ساحل آشنا ہو جائیگی
تہ کا اندیشہ رہے گا پھر نہ ساحل کی ہوس — دل سے جب قطعِ امیدِ بے وفا ہو جائیگی
شب کی شب بزمِ طرب ہی پردہ دارِ انقلاب — صبح تک آئینۂ عبرت نما ہو جائے گی

جانِ ایماں ہو ابھی وہ آنکھ شرمائی ہوئی
کیفیت میں ڈوب کر کیا جانے کیا ہو جائیگی

۹۳

آ رہی ہے یہ صدا کان میں ویرانوں سے — کل کی ہو بات کہ آباد تھے دیوانوں سے
لے چلی وحشتِ دل کھینچ کے صحرا کی طرف — ٹھنڈی ٹھنڈی جو ہوا آئی بیابانوں سے
پاؤں پکڑے نہ کہیں کوچۂ جاناں کی زمیں — خاک اڑاتا جو نکل آؤں بیابانوں سے
تنکے چن جا کے کسی کوچہ میں او دستِ جنوں — کیوں الجھتا ہی عبث چاک گریبانوں سے
آج ہی گل میں ہے چلنے کو نسیمِ وحشت — تنگ آنے لگے دیوانے گریبانوں سے
نہیں معلوم اُن آنکھوں کا اشارہ کیا تھا — جنگ پر تل گئے کفّار مسلمانوں سے
آنکھ اٹھا کر نہ کسی سمت قفس سے دیکھا — موسمِ گل کی خبر سنتے رہے کانوں سے

چلتے چلتے تو گلے شمع سے مل لیں اٹھکر ... اب سحر ہوتی ہے کہدے کوئی پروانوں کو

کیا کوئی پوچھنے والا بھی اب اپنا نہ رہا
دردِ دل رونے لگے یاسؔ جو بیگانوں سے

۹۴

دردِ دل روئیں کس امید پہ بیگانوں سے ... صبح ہونے کی نہیں یاسؔ اس افسانے سے

ہوسِ عالمِ بالا نے کیا ہے دل تنگ ... روح گھبرا گئی اب جسم کے کاشانے سے

حسنِ معنی کے جو شیدا ہیں ادھر کیا دیکھیں ... صورتِ آبادِ جہاں کم نہیں ویرانے سے

اور پردے کی ملاقات کرے گی اندھیر ... شمع کیوں چھپتی ہے فانوس میں پروانے سے

آگ میں کود پڑا دل کی لگی وہ شے ہے ... آتشِ شوق کو پوچھے کوئی پروانے سے

ساقیا دل کی ہوس مٹ نہ سکی بیری میں ... پیاس بجھتی نہیں ٹوٹے ہوئے پیمانے سے

دور سے دیکھنے کے یاسؔ گنہگار ہیں بس
آشنا تک نہ ہوئے لب کبھی پیمانے سے

۹۵

اداسی چھا گئی چہرے پہ شمعِ محفل کے ... نسیمِ صبح سے شعلے بھڑک اٹھے دل کے

عجب نہیں کہ بپا ہو یہیں سے فتنۂ حشر ... زمانہ بھر میں ہیں سارے فساد ہی دل کے

خوشی کے مارے زمیں پر قدم نہیں رکھتے ... جب آئے قافلے والے قریب منزل کے

نظارہ رخِ لیلیٰ مبارک اے مجنوں ... نگاہِ شوق نے پردے اٹھائے محمل کے

زبانِ یاسؔ سے افسانۂ سحر سنئے
وہ رونا شمع کا پروانوں سے گلے مل کے

۹۶

ٹھوکریں کھلوائیں کیا کیا پائے بے زنجیر نے
گردشِ تقدیر نے جولانیِ تدبیر نے

عالمِ اسباب سے کیا فیض ناکامی ملا
راہ پر لا کر مجھے بھٹکا دیا تقدیر نے

کارواں کتنے بگولے بن کے غائب ہو گئے
خاک سے یکساں کیا جولانیِ تدبیر نے

باز آئے زندگی کے خوابِ رنگارنگ سے
دست و پا گم کر دیئے اندیشۂ تعبیر نے

دادخواہی کو اٹھا ہے ذرّہ پامال تک
سوتے فتنوں کو جگایا اخترِ عالمگیر نے

ماتمِ حسرت کیا پہلے گریباں پھاڑ کر
پھر دعا دی دشمنوں کو دستِ بے شمشیر نے

جان دیکر ایک حکم آخری مانو تو کیا
لکھ دیا جب سرکشوں میں کاتبِ تقدیر نے

۹۷

بخت بیدار اگر سلسلہ جنباں ہو جائے
شام سے بڑھ کے سحر دست و گریباں ہو جائے

پڑھ کے دو کلمے اگر کوئی مسلماں ہو جائے
پھر تو حیواں بھی دو دن میں انساں ہو جائے

آگ میں ہو جسے جلنا تو وہ ہندو بن جائے
خاک میں ہو جسے ملنا وہ مسلماں ہو جائے

درد کا قحط ہو، دل کا کوئی گاہک نہ رہے
ولولۂ عشق کہ بازیچۂ طفلاں ہو جائے

خوابِ تعبیر نہ سہی خوابِ پریشاں ہی سہی
دل بہلنے کو شبِ غم کوئی ساماں ہو جائے

دل کو کچھ زندگیِ عشق کی لذت تو ملے
خاک سے پاک ہو یا خاک سے یکساں ہو جائے

موت کی یاد میں نیند اور بھی اڑ جاتی ہے
نیند آ جائے تو کچھ موت کا ساماں ہو جائے

پاؤں پھیلاتے ہیں رہ رہ کے اسیرانِ ہوس
چاہتے ہیں قفسِ تنگ گلستاں ہو جائے

نشۂ حسن کو اس طرح اترتے دیکھا عیب پر اپنے کوئی جیسے پشیماں ہو جائے

یاسؔ بیداری موہوم ہے ساری ہستی
آنکھ ہو بند تو سب خواب پریشاں ہو جائے

۹۸

مزہ گناہ کا جب تھا کہ با وضو کرتے بتوں کو سجدہ بھی کرتے تو قبلہ رو کرتے
کبھی نہ پرورشِ نخلِ آرزو کرتے نمو سے پہلے جو اندیشۂ نمو کرتے
سپیس نہ دل سے تو پھر کیا پڑی تھی خاروں کو کہ گل کو محرمِ انجامِ رنگ و بو کرتے
گناہ تھا بھی تو کیسا گناہِ بے لذت قفس میں بیٹھ کے گیا یادِ رنگ و بو کرتے
دلیلِ راہِ دلِ شب جب لئے تھا تنہا بلند و پست میں گذری ہے جستجو کرتے
فلک نے بھول بھلیوں میں ڈال رکھا تھا ہم ان کو ڈھونڈتے یا اپنی جستجو کرتے
ازل کشش مرکزی کے تھے پابند ہوا کی طرح وہ کیا سیرِ چار سو کرتے
بہانہ چاہتی تھی موت بس نہ تھا اپنا کہ میزبانی مہمان حیلہ جو کرتے
اسیرِ حال نہ مُردوں میں ہیں نہ زندوں میں زبان کٹتی ہے آپس میں گفتگو کرتے
پناہ ملتی نہ امیدِ بے وفا کو کہیں ہوس نصیب اگر ترکِ آرزو کرتے
ازالہ دل کی نجاست کا اور کیا ہوتا جلا کے خاک نہ کرتے تو کیا لہو کرتے

یگانہ کم سے کم اتنی تو لاج رکھنی تھی!
کہ لکھنؤ سے وفا اہلِ لکھنؤ کرتے

۹۹

ازل سے سخت جاں آمادۂ صد امتحاں آئے عذابِ چند روزہ یا عذابِ جاوداں آئے

کنول روشن تو ہو دل کا، پیامِ ناگہاں آئے
بلا سے شامتِ پروانہ آتش بجاں آئے

بہارستانِ عبرت میں یہ گل کیا خار کیا خس کیا
سراپا سب کے سب آلودہ رنگِ خزاں آئے

وہی آغوشِ ساحل اور وہی منجدھار کو ڈوبے
پلٹ کر خاک میں ملنے کہاں سے پھر کہاں آئے

نہ ہے احسانِ ذی حاصل کہ دن کو دن اسیری کو
اجل کیسا تھا حکمِ بازگشتِ آشیاں آئے

حق اپنی دھن کا پکا باطل اپنے زعم میں پورا
الٰہی گفتگوئے صلح کیونکر درمیاں آئے

خیالِ خام ہو یا معنیٔ موہوم کیا جانیں
سمجھ میں رازِ فردا کیوں نصیبِ دشمناں آئے

یہ خونِ بیدلی ہیں کیا کہوں کیوں لہر پیدا ہو
مبادا غیب سے کوئی نویدِ ناگہاں آئے

حریمِ ناز کیا ہے جلوہ گاہِ بے تماشا ہے
نگاہِ یاس کہتی ہو کدھر آئے کہاں آئے

۱۰۰

دیکھا دیکھی جو کوئی آپ کا دیوانہ بنے
نقد کیا جان بھی دے بیٹھے تو سودا نہ بنے

رات دن شوقِ رہائی میں کوئی سر پٹکے
کوئی زنجیر کی جھنکار سے دیوانہ بنے

آپ آتے تھے مگر موت کو پہلے بھیجا
چال ایسی تو چلے کوئی کہ جھوٹا نہ بنے

کیوں اجل ہو کوئی ایسا کہ مرا منہ سی دے
بات اپنی نہیں بننے کی تو اچھا نہ بنے

بجھ گیا دل کا کنول کشمکشِ شوق عجب
شمعِ خاموش کا کیونکر کوئی پروانہ بنے

دل وہی دل ہو جو ہو اپنی حرارت سے فنا
خاک ہو جائے مگر آگ بگولہ نہ بنے

ڈوب کر دیکھے تو انسان کہیں کا نہ رہے
عین حکمت ہو اگر آپ سے بیگانہ بنے

دل آگاہ پہ جادو نہ چلے گا کوئی
ہاں مگر مصلحتِ وقت سے بیگانہ بنے

نگہ یاس ارے توبہ جدھر اٹھ جائے
دل تو کیا عالمِ ایجاد بھی ویرانہ بنے

۱۰۱

نگاہِ شوق ہوتی یا نگاہِ واپسیں ہوتی ! — بہر صورت زبانِ گنگ یعنی آفریں ہوتی
امید و بیم روز افزوں وبالِ جان و دل ٹھہری — فنا کے بعد بھی تا حشر یکسوئی نہیں ہوتی
وہ محرومِ ازل ہیں دھیان میں لاتا نہیں کوئی — محبت کیا نگاہوں کی عداوت تک نہیں ہوتی
نگاہِ مضطرب کی حد ہے فانوسِ خیالی تک — قیامت تھی اگر پروانۂ شمعِ یقیں ہوتی
ازل سے کشتیٔ امید تھی بیگانۂ ساحل — جہاں پایا ہے دریا وہاں بھی تہ نشیں ہوتی
غضب ہے منہ چھپانا سجدۂ ناحق کے پردے میں — بلا سے تختۂ مشقِ ستم لوحِ جبیں ہوتی
فقط دل کی بدولت گرم ہے پہلوئے جاں ورنہ — جسد میں روح اک دیوانۂ تنہا نشیں ہوتی
خزاں سے پہلے ہی کاش اپنی آنکھیں بند ہو جاتیں — بہارِ او نہیں ہوتی نگاہ واپسیں ہوتی
جو رو سکتے تو آنسو پونچھنے والے بھی مل جاتے — شریکِ رنج و غم دامن سے پہلے آستیں ہوتی

دمِ آخر فریبِ جلوۂ بیرنگ نے مارا
نگاہِ یاس ورنہ کیوں گنہگارِ یقیں ہوتی

۱۰۲

دل عجب جلوۂ اُمید دکھاتا ہے مجھے — شام سے یاس سویرا نظر آتا ہے مجھے
دل کو لہراتا ہے ہنگامۂ زندانِ بلا — شورِ ایذا طلبی وجد میں لاتا ہے مجھے
پائے آزاد ہے زنداں کے چلن سے باہر — بیڑیاں کیوں کوئی دیوانہ پنھاتا ہے مجھے

ہنس کے کہتا ہے کہ گھر اپنا قفس کو سمجھو — سبق النار اصبیاد پڑھاتا ہے مجھے
جیسے دوزخ کی ہوا کھا کے ابھی آیا ہے — کس قدر واعظ مکار ڈراتا ہے مجھے
پھٹ پڑیں اب بھی در و بام تو پردہ رہ جائے — فلک خانہ خراب آنکھ دکھاتا ہے مجھے
دیدنی ہے چمن آرائی چشم عبرت — سیر تازۂ گل پژمردہ دکھاتا ہے مجھے
لب دریا کا ہوا ہیں نہ تہ دریا کا — کون سے گھاٹ پہ دھارا لئے جاتا ہے مجھے
جلوۂ دار و رسن اپنے نصیبوں میں کہاں — کون دنیا کی نگاہوں پہ چڑھاتا ہے مجھے
ننگ محفل مرا زندہ مرا مردہ بھاری — کون اٹھاتا ہے تجھے کون بٹھاتا ہے مجھے

یاس منزل ہے مری منزل عنقائے کمال
لکھنؤ میں کوئی کیوں ڈھونڈنے آتا ہے مجھے

۱۰۳

ہمہ تن شمع بنے یا ہمہ تن دل ہو جائے — جل کے ٹھنڈا کہیں پروانۂ محفل ہو جائے
خاک کا پتلا ہے رفتار نمو سے مجبور — ہمہ تن سنگ بنے یا ہمہ تن دل ہو جائے
حسن وہ حسن کبھی جس کی حقیقت نہ کھلے — رنگ وہ رنگ جو ہر رنگ میں شامل ہو جائے
حسن بیرنگ کہیں رنگ بگڑ سکتا ہے؟ — پردہ جبتک نہ کوئی بیچ میں حائل ہو جائے
حق میں اوروں کے تری ذات سراپا احسان — وائے قسمت کہ مری ضد ہے تو عادل ہو جائے
زندہ درگور ہوں موت آئے تو سر آنکھوں پر — مگر ایسا نہ ہو مہماں کوئی نازل ہو جائے
کون ٹھہرائے پھر اس کشتی بے لنگر کو — دل اگر در خداداد کی منزل ہو جائے
صلح جوئی نے گنہگار مجھے ٹھہرایا — جرم ثابت جو کیا چاہو تو مشکل ہو جائے
بھولنا سہل گناہوں کا بھلانا مشکل — تو جو یاد آئے تو آسان یہ مشکل ہو جائے

ناخدا کو نہیں ابتک تہ دریا کی خبر
ڈوبجر دیکھے تو بیگانہ ساحل ہوجائے

ایک ہی سجدہ کیا دوسرے کا ہوش کجا
ایسے سجدہ کا یہ انجام کہ باطل ہوجائے

اپنی ضد اپنی مشیت پہ جو آجائے کوئی
باتس سب حسنِ عمل دفترِ باطل ہوجائے

۱۰۴

نہ انتقام کی عادت نہ دل دکھانے کی
بدی بھی کر نہیں آتی ہے مجھے کُجانے کی

دہائی ہے دلِ درد آشنا دہائی ہے
کہ آہِ سرد پہ تہمت ہے دل دکھانے کی

سمجھ میں آئی نہ زندانِ تنگ جہت کی کشش
کہ پاؤں رکھنے کی جا ہے نہ بھاگ جانے کی

ہوا کے ساتھ پھرے چار سمت آوارہ
قدم اٹھائے جو رفتار پر زمانے کی

ہر ایک ذرہ سے آتی ہے بوئے زندہ دلی
نہ جانے خاک ہے اپنی کس آستانے کی

پلٹ کے گل میں نہ آئے گی بوئے مستانہ
نکل کے روح رواں منھ نہیں دکھانے کی

اب اپنے ختم سفر میں کچھ ایسی دیر نہیں
جو دیر ہے تو فقط تھک کے بیٹھ جانے کی

جو ڈوبتے کو بچائے وہ آپ بھی ڈوبے
عوض ہے دونوں کا یکساں بدی ہو یا نیکی

ہوس ہے سلسلہ جنبانِ سعی لاحاصل
بھری ہے سر میں ہوا قسمت آزمانی کی

۱۰۵

ہے جان کو ساتھ اور اک ایمان کا ڈر بھی
وہ شوخ کہیں دیکھ نہ لے ہم کو ادھر بھی

وہ ہم سے نہیں ملتے ہم ان سے نہیں ملتے
اک نازِ دل آویز ادھر بھی ہے ادھر بھی

اللہ ری بیتابی دل وصل کی شب کو
کچھ نیند بھی آنکھوں میں ہے کچھ می کا اثر بھی

کھول آنکھیں ذرا مست ہو کیا ساغرِ جم سے ہو گردشِ ایام کی کچھ تجھ کو خبر بھی
وہ کشمکشِ غم ہے کہ میں کہہ نہیں سکتا آغاز کا افسوس اور انجام کا ڈر بھی
دیکھے کوئی جاتی ہوئی دنیا کا تماشا بیمار بھی سر دھنتا ہے اور شمعِ سحر بھی
بجھتی ہوئی اک شمع ہوں کیا دم کا بھروسا دشمن ہو مری جان کی اب آہِ سحر بھی
کس شان سے آتی ہے مری شامِ مصیبت وہ دیکھو جلو میں ہو قیامت کی سحر بھی
صحرا کی ہوا کھینچے لئے جاتی ہے مجھ کو کہتا ہے وطن دیکھ ذرا پھر کے ادھر بھی
ہاں کٹ گئی شاید مرے دیوانے کی بیڑی پچھلے پہر آئی تھی کچھ آواز ادھر بھی

کیا وعدۂ دیدار کو سچ جانتے ہو یاس
لو فرض کرو آئی قیامت کی سحر بھی

۱۰۶

کھل گئی عیب و ہنر سب کاتبِ تقدیر کے رنگ ہیں آمادہ پرواز ہر تصویر کے
کوئی تصویرِ خزاں ہو کوئی تصویرِ بہار دیدنی ہیں کارنامے خامۂ تقدیر کے
کارخانہ تھا ہوا پر حسنِ مشتِ خاک کا کھل گئے آخر فریب اس بولتی تصویر کے
کوئی بندہ عشق کا ہو کوئی بندہ عقل کا پاؤں اپنے ہی نہ تھے قابل کسی زنجیر کے
شوقِ منزل میں زمیں پر پاؤں تک پڑتے نہیں حوصلے پھر کیا بڑھیں گے خارِ دامنگیر کے
خاک میں مل جائیگی سب عزتِ مردانگی ظلم کے ہاتھوں اگر جوہر کھلے شمشیر کے

یاس سر سے پاؤں تک امید ہی امید تھے
فرد جبتک ہاتھ میں تھی کاتبِ تقدیر کے

۱۰۷

جبتک خلشِ دردِ خداداد رہیگی | دنیا دلِ ناشاد کی آباد رہیگی
دنیا کی ہوا راس نہ آئے گی کسی کو | ہر سر میں ہوائے عدم آباد رہیگی
چونکائے گی رہ رہ کے تو غفلت کا مزہ کیا | ساتھ اپنے اجل صورتِ ہمزاد رہیگی
دل اور دھڑکتا ہے ادبگاہِ قفس میں | شاید یہ زباں تشنۂ فریاد رہیگی
شیطان کا شیطان فرشتہ کا فرشتہ | انسان کی یہ بوالعجبی یاد رہیگی
جو خاک کا پتلا وہی صحرا کا بگولا | مٹنے پہ بھی اک ہستیٔ برباد رہیگی
ہر شام ہوئی صبح کو اک خواب فراموش | دنیا یہی دنیا ہے تو کیا یاد رہیگی

شہرہ ہے یگانہ تری بیگانہ روی کا
واللہ یہ بیگانہ روی یاد رہیگی

۱۰۸

در و سر تھا سجدۂ شام و سحر میرے لئے | دردِ دل ٹھہرا دوائے دردِ سر میرے لئے
دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو | زندگی پھر کیوں ہوئی ہے دردِ سر میرے لئے
کس محبت سے دلِ گم گشتہ دیتا ہے صدا | آ ادھر پھرتا ہے آوارہ کدھر میرے لئے
شکر سے تسکیں نہیں ہوتی شکایت ہی سہی | کچھ وظیفہ چاہئے شام و سحر میرے لئے
فطرتِ مجبور کو اپنے گناہوں میں ہے شک | وا رہیگا کب تلک توبہ کا در میرے لئے
لے چلا ہوں وعدۂ فردا گرہ میں باندھکر | چاہئے ہے اور کیا زادِ سفر میرے لئے
حسنِ نادیدہ کجا، اپنا ہی پردہ کھل گیا | آسماں ثابت ہوا حدِ نظر میرے لئے

بزمِ دنیا میں یگانہ ایسی بیگانہ روی
ہیں سنے مانا عیب ہے لیکن ہنر میرے لئے

۱۰۹

زمانہ پر نہ سہی دل پہ اختیار رہے — دکھا وہ زور کہ دنیا میں یادگار رہے
کہاں تک دلِ غمناک پردہ دار رہے — زبانِ حال پہ جب کچھ نہ اختیار رہے
قطامِ دہر نے کیا کیا نہ کروٹیں بدلیں — مگر ہم ایک ہی پہلو سے بیقرار رہے
ہنسی میں لغزشِ مستانہ اُڑ گئی واللہ — تو بیگناہوں سے اچھے گناہگار رہے
اُبھارتی ہے ہوس توبۂ ریائی کی — کہ دل کے ساتھ زباں کیوں گناہگار رہے
دکھاؤں جیب کے در دل اور دلِ کہوں کب تک — زباں پہ کیوں یہ تقاضائے ناگوار رہے
تڑپ تڑپ کے اٹھاؤں گا زندگی کے مزے — خدا نہ کردہ مجھے دل پہ اختیار رہے
سزائے عشق بقدرِ گناہ ناممکن — یہی بہت ہے کہ برہم مزاجِ یار رہے
زمانہ اس کے سوا اور کیا وفا کرتا — چمن اجڑ گیا کانٹے گلے کا ہار رہے
خزاں کے دم سے مٹا خوب و زشت کا جھگڑا — چلو یہ خوب ہوا گل رہے نہ خار رہے

یگانہ حال تو دیکھو زمانہ سازوں کا
ہوا میں جیسے بگولا خراب و خوار رہے

۱۱۰

خدا کے سامنے دامن پسارنے والے — وہ ہاتھ تھک گئے کیا مال مارنے والے
خدا کی دین ہے جنت ہو یا جہنم ہو — بھٹک بھی جاتے ہیں حج کو سدھارنے والے

بلا نہ ہو کوئی نازل سیاہ کاروں پر
بہت سنور چکے زلفیں سنوارنے والے

کہاں کا روزِ جزا، کل کے مرتے آج مریں
اُمید و بیم کو ٹھوکر پہ مارنے والے

تمہاری جیت تو جب تھی دلوں میں گھر کرتے
زباں سے ہار نہ مانیں گے ہارنے والے

لگی ہو جس کے، وہی جیب کی داد پاتا ہے
پکارتے رہے ناحق پکارنے والے

کشش دکھائیں تو معراج سے ہیں بالاتر
خدا کو شیشۂ دل میں اتارنے والے

نکالتے ہیں اُسی منہ سے حُسن میں عیب
ہوس نصیب، وہی منہ پسارنے والے

تمہارے دم سے سلامت ہیں ولولے دل کے
تنزّل کے بعد خطا پر ابھارنے والے

یگانہ کون؟ وہ بزمِ ادب سے بیگانہ
لڑائی چھیڑ کے پگڑی اتارنے والے

۱۱۱

انوکھی معرفت اندھوں کو حاصل ہوتی جاتی ہے
حقیقت تھی جو کل تک آج باطل ہوتی جاتی ہے

بلندی کیا ہے پستی کیا ہوا کی کارفرمائی
سراسر موجِ دریا غرقِ ساحل ہوتی جاتی ہے

برائی میں بھلائی دیکھتا جاؤں مگر کب تک
یہ کیسی دولتِ عرفاں کہ نازل ہوتی جاتی ہے

نہ کترائے نہ بل کھائے تو پھر دھارا کدھر جائے
ارے یہ کیا کہ راہِ راست مشکل ہوتی جاتی ہے

کہاں لیجائے گی یہ وسعتِ آفاق کیا جانے
مکان و لامکاں سے دور منزل ہوتی جاتی ہے

محبت کا مزہ بگڑا کہ نیت بھر گئی اپنی
طبیعت جانے کیوں تلخی پہ مائل ہوتی جاتی ہے

گناہِ عشق اِک اضطراری کے سوا کیا تھا
مگر توفیقِ رسوائی بھی شامل ہوتی جاتی ہے

مجھے دیکھو تو سمجھو حُسن کے معنیِ وجدانی
وہ معنی جس سے روشن خلوتِ دل ہوتی جاتی ہے

زہے شانِ خداوندی گنہگاروں پہ یہ رحمت
غضب ہے پارسائی اور مشکل ہوتی جاتی ہے

نظر پڑنے لگی میری بھی اپنے شیشۂ دل پر   جوانی اُن کی آئینے کے قابل ہوتی جاتی ہے
مرے دل میں لگا کر آگ آنکھیں سینکنے والے   تری چشم توجہ اور قاتل ہوتی جاتی ہے
چلو تم بھی سنو شور ولا بزم یگانہ میں   چھڑا ساز محبت گرم محفل ہوتی جاتی ہے

یگانہ لکھنؤ کی سیر کر آتے تو اچھا تھا!
طبیعت سان پر چڑھنے کے قابل ہوتی جاتی ہے

۱۱۲

کس کی آواز کان میں آئی -؟   دور کی بات دھیان میں آئی
ایسی آزاد روح اس تن میں   کیوں پرائے مکان میں آئی
آپ آتے رہے بلاتے رہے   آنے والی اک آن میں آئی
ہائے کیا کیا نگاہ بھٹکی ہے   جب کبھی امتحان میں آئی
یہ کنارہ چلا کہ ناؤ چلی   کہیے کیا بات دھیان میں آئی
علم کیا علم کی حقیقت کیا   جیسی جس کے گمان میں آئی
کون جانے ندائے حق کیا ہے؟   کس خدا کی زبان میں آئی
ایسی پائے خطا کہ اُف نہ کرے   ڈھیل جس کی زبان میں آئی
حسن کیا خواب سے ہوا بیدار   جان ناز جہان میں آئی
آپ کی یہ اکڑ ارے توبہ!   کب کسی نوجوان میں آئی
جان لیوا ہے یہ چڑھی تیوری   یہ کشش کس کمان میں آئی
بات ادھوری مگر اثر دونا!   اچھی لکنت زبان میں آئی

آنکھ نیچی ہوئی ارے یہ کیا؟ کیوں غرض درمیان میں آئی
میں پیمبر نہیں یگانہ سہی
اس سے کیا کسر شان میں آئی

۱۱۳

مزاج آپکا دنیا سے کچھ کشیدہ سہی فریب کھاؤگے پھر بھی، فریب دیدہ سہی
یہ سبزہ باغ کا عالم بہ رنگِ لیل و نہار بہل ہی جائے گا دل آپ کا رمیدہ سہی
یہ غنچہ کیسا کہ دیکھے سے دل دھڑکتا ہے ارے یہ ایک ہی فتنہ ہے نودمیدہ سہی
نگاہِ شوق کی گرمی خدا کی قدرت ہے مزے پہ آہی گیا حُسن، نارسیدہ سہی
کھٹکتی رہتی ہے دل میں نگاہِ دزدیدہ خطائے حُسن کہے کون، چشمِ دیدہ سہی
نگاہِ حُسن سے ابتک وفا ٹپکتی ہے ستم رسیدہ سہی پیرہن دریدہ سہی
فریبِ ابرِ کرم بھی بڑا سہارا ہے بلا سے نخلِ تمنا خزاں رسیدہ سہی
خدا کی بات خدا جانے کوئی کیا جانے پڑھا ہے میں نے بھی قرآن پیچیدہ پیچیدہ سہی
پتنگے کی کہئے تو ظالم کا رنگ اڑتا ہے زبانِ حال سے اک حرفِ ناشنیدہ سہی
ہوا جو بگڑی تو ٹھنڈا ہی کرکے چھوڑےگی ہزار شعلۂ بیباک سر کشیدہ سہی
قریب ہوں مگر اتنا کہ جیسے کوسوں دور مجھے نہ دیکھ سکوگے زمانہ دیدہ سہی
مری نظر کی خطا ہوگی یا گلوں کی خطا تمہارے راج میں کانٹے ہی برگزیدہ سہی
نکل ہی جاتا ہے مطلب تری قسم کھاکر تو بندگانِ ضرورت کا آفریدہ سہی
یگانہ ٹھن گئی بیڈھب تو سوچتے کیا ہو
شریکِ کار نہیں تو نہیں جریدہ سہی

۱۱۴

کارگاہِ دنیا کی نیستی بھی ہستی ہے
اک طرف اُجڑتی ہے ایک سمت بستی ہے

بیدلوں کی ہستی کیا جیتے ہیں نہ مرتے ہیں
خواب ہے نہ بیداری ہوش ہے نہ مستی ہے

کیا بتاؤں کیا ہوں میں قدرتِ خدا ہوں میں
میری خود پرستی بھی عین حق پرستی ہے

کیمیائے دل کیا ہے خاک ہے مگر کیسی ؟
لیجئے تو مہنگی ہے بیچئے تو سستی ہے

خضرِ منزل اپنا ہوں اپنی راہ چلتا ہوں
میرے حال پر دنیا کیا سمجھ کے ہنستی ہے

کیا کہوں سفر اپنا ختم کیوں نہیں ہوتا
فکر کی بلندی یا حوصلہ کی پستی ہے

حسنِ بے تماشا کی دھوم کیا معمہ ہے
کان بھی ہیں نامحرم آنکھ بھی ترستی ہے

چتونوں سے ملتا ہے کچھ سراغ باطن کا
چال سے تو کافر پر سادگی برستی ہے

ترکِ لذتِ دنیا کیجئے تو کس دل سے
ذوقِ پارسائی کیا فیضِ تنگدستی ہے

دیدنی ہے یاسؔ اپنے رنج و غم کی طغیانی
جھوم جھوم کر کیا کیا یہ گھٹا برستی ہے

۱۱۵

بندہ وہ بندہ جو دم نہ مارے
پیاسا کھڑا ہو دریا کنارے

دکھ درد تو ہی سمجھے نہ سمجھے
گونگا تو گونگا کس کو پکارے

بندوں سے اپنے اتنا تغافل
چوکھٹ پہ کوئی سر دے نہ مارے

قربان تیری اٹکھیلیوں کے
خود سر چڑھائے خود مار اُتارے

اُف ری مشیت پھولے تو لاکھوں
پھلتے نہ دیکھے سارے کے سارے

کرنی کسی کی بھرنی کسی کی
بے موت مرنا غیرت کے مارے

فتنہ بھی پامال اپنا بھی یہ حال
کروٹ بدلئے کس کے سہارے

اتنا بھی سیدھا سادہ چلن کیا ایسے کو کوئی کیونکر ابھارے
مکرا کے دیکھیں تم کیا ہو ہم کیا؟ جیتے تو جیتے ہارے تو ہارے
لیلیٰ ہے لیلیٰ اندھا ہے اندھا مشاطہ چاہے جتنا سنوارے

حُسنِ یگانہ اللہ اللہ
یہ بھیس بدلے یہ روپ دھارے

۱۱۶

ارے واہ صلح ہوئی تو کیا وہی آگ دل میں بھری رہی
وہی خو رہی وہی بُو رہی وہی فطرتِ بشری رہی
وہی بندگی وہی صاحبی وہی راج اور وہی راج ہٹ
نہ جوابِ تلخ کا حوصلہ نہ مجالِ فتنہ گری رہی
وہی نیستی وہی شامتیں تو کہاں کی عید کہاں کی دید
شبِ غم کی صبح ہوئی تو کیا وہی غفلتِ سحری رہی
کوئی رازِ درد چھپائے کیا کہ یہ دردِ دل ہے بری بلا
دمِ واپسیں بھی زبان کو وہی فکرِ پردہ دری رہی
نگہ کرم کا سوال کیا ہے عتاب کی بھی خبر نہیں
ترے سنگِ در پہ جبینِ شوق دھری رہی سو دھری رہی
نہ خداؤں کا نہ خدا کا ڈر اسے عیب جانئے یا ہنر
وہی بات آئی زبان پر جو نظر پہ چڑھ کے کھری رہی

یہ بلائے حسن کہاں نہیں مگر اپنے واسطے قحطِ حسن
تمھیں کیا بنا ہیں نظر کے ساتھ جو زحمت نظری رہی

کوئی چشم شوق کے سامنے ہو تو سوجھتی ہے نئی نئی
ترے دم قدم کی بہار تھی کہ طبیعت اپنی ہری رہی

کوئی میری آنکھ سے دیکھتا وہ زوالِ دولتِ رنگ و بو
کہ بہارِ حسن کی شام کو بھی عجیب جلوہ گری رہی

کوئی آرزو تھی چھپی ہوئی کوئی اقتضا تھا دبا ہوا
دلِ مضطرب ہیں جبھی تو اک خلشِ شکستہ پری رہی

وہ گناہ گار ہمیں تو ہیں کہ جمال پاک کے سامنے
نظر اٹھتے اٹھتے جھپک گئی ہوسِ گناہ دھری رہی

عجب اتفاق بھڑک اٹھی وہ نشے ہیں دوست کی دشمنی
ارے اس حقیقتِ تلخ سے مجھے کیوں نہ بیخبری رہی

یہ وہ دل ہی جسمیں سوائے حق کسی دوسرے کا گزر نہیں
وہی ایک ذاتِ یگانہ بس وہی ایک جلوہ گری

۱۱۷

سلامت رہیں دل میں گھر کرنے والے
اس اجڑے مکاں میں بسر کرنے والے

گلے پر چھری کیوں نہیں پھیر دیتے
اسیروں کو بے بال و پر کرنے والے

اندھیرے اُجالے کہیں تو ملیں گے
وطن سے ہمیں در بدر کرنے والے

چھپے دامنِ ابرِ رحمت میں آخر
سیہ کاریوں میں بسر کرنے والے

گریباں میں منھ ڈال کر خود تو دیکھیں
برائی پہ میری نظر کرنے والے

طلسمِ حوادث کی تہ کو نہ پہونچے
زمانہ پہ گہری نظر کرنے والے

اس آئینہ خانے میں کیا سر اٹھاتے
حقیقت پر اپنی نظر کرنے والے

کھڑے ہیں دوراہے پہ دیر و حرم کی
تری جستجو میں سفر کرنے والے

سرِ شام گل ہو گئی شمع بالیں
سلامت ہیں اب تک سحر کرنیوالے

کُجا صحنِ عالم، کُجا کنجِ مرقد
بسر کر رہے ہیں بسر کرنے والے

یگانہ وہی فاتحِ لکھنؤ ہیں
دلِ سنگ و آہن میں گھر کرنیوالے

۱۱۸

آہ بیمار کارگر نہ ہوئی
چرخ کانپا مگر سحر نہ ہوئی

صبحِ محشر ہوئی شبِ تاریک
صورتِ یار جلوہ گر نہ ہوئی

شبِ اُمید کٹ گئی لیکن
زندگی اپنی مختصر نہ ہوئی

دور سے آج اُن کو دیکھ لیا
دل کو تسکیں ہوئی مگر نہ ہوئی

آنکھوں آنکھوں میں لے لیا وعدہ
کانوں کان ایک کو خبر نہ ہوئی

اُف ری چشمِ عتاب اُف ری جلال — برقِ سوزاں ہوئی نظر نہ ہوئی
فکرِ انجام و حسرتِ آغاز — دو گھڑی چین سے بسر نہ ہوئی
کھلنے والا نہیں درِ توبہ — فکرِ انجام وقت پر نہ ہوئی
ایسا رونا بھی کوئی رونا ہے — آستیں آنسوؤں سے تر نہ ہوئی
ہٹ کے بالیں سے لوگ روتے ہیں — جیسے بیمار کو خبر نہ ہوئی

نیم جاں چھوڑ کر چلا قاتل
نگہِ یاسؔ کارگر نہ ہوئی

۱۱۹

سنگدل بھی یاد کرتے ہیں تہِ دل سے مجھے — فتحِ حق کی داد ملجاتی ہے باطل سے مجھے
ہمتِ عالی سلامت ہے تو اندیشہ ہو کیا — پائے درِ زنجیر سے یا پائے در گِل سے مجھے
ناخدا اپنی سی کر گذرا مگر مجبور تھا — کھینچ لایا پھر دُرِ مقصود ساحل سے مجھے
خواب سے اندیشۂ فردا نے چونکایا تو کیا — غفلتِ امروز فرصت دیگی مشکل سے مجھے
دُور سے ہنستے ہیں ظالم پا شکستہ جانکر — خیر مقدم کی صدا دیتے ہیں منزل سے مجھے
مانگنے دینا نہیں پانی دلِ ایذا طلب — خوں بہا کیا مانگنے دیگا یہ قاتل سے مجھے
دردِ سر کی جستجو تھی دردِ دل حاصل ہوا — واہ کیا دولت ملی اس فکرِ باطل سے مجھے
جلوۂ بیرنگ تھا پردہ کے اندر کچھ نہ تھا — حق بجانب تھا جو اندیشہ تھا محمل سے مجھے

دیدۂ دل بے نیازِ جلوۂ اُمید ہے
یاسؔ کیا دلبستگی اس نقشِ باطل سے مجھے

۱۲۰

ناخدائے کم ہمت ہاتھ پاؤں مار آیا   تہ کی کیا خبر لاتا حوصلہ بھی ہار آیا
پار اُتارنا کیسا بارِ سر اُتار آیا

کشتیٔ حیات اپنی جا رہی تھی دھارے پر   سنگدل تماشائی ہنستے تھے کنارے پر
دل وہی شکستہ دل پھر بروئے کار آیا

خانۂ خدا معلوم، شیخ و برہمن چھوٹے   اس طلسمِ حیرت سے کب اسیرِ غم چھوٹے
پائے مضطرب ٹوٹے جب کہیں قرار آیا

شام سے بھڑک اُٹھی اور بھی لگی دل کی   یاسِ امیدِ فردا نے واہ کیا تسلی دی
مضطرب نگاہوں کو حکمِ انتظار آیا

۱۲۱

امید و بیم میں کٹے تو کیا مزہ شباب کا ہوائے دہر دیتی ہے پیام انقلاب کا
اُلٹ نہ جائے ناگہاں ورق مری کتاب کا

کسی کی کیا مجال ہے جو چرخِ پیر سے لڑے اُمنڈ رہا ہے اَبرِ غم نہ جانے کب برس پڑے
اُندھا ہُوا ہے چار سمت بادل انقلاب کا

نہ مبتدا کی کچھ خبر نہ کچھ خبر کا مبتدا دلِ شکستہ گم ہوا تو پھر کہاں کا سلسلہ؟
یہی ورق نکل گیا تو مول کیا کتاب کا؟

نگاہِ تشنہ کام میں حرام بھی حلال ہے نہ کوئی امر مُمتنع نہ کوئی شے محال ہے
فریب مجھ سے پوچھئے کرشمۂ سراب کا

پکارنے سے کام ہے پکارتا ہوں بار بار دیارِ حُسن میں ہو یاس کیوں کوئی امیدوار
جوابِ باصواب یا جوابِ بے صواب کا

رباعیات

ساجن کو سکھی منا لو پھر سو لینا
سوتی قسمت جگا لو پھر سو لینا
سوتا سنسار، سننے والا بیدار
اپنی بیتی سنا لو پھر سو لینا

۲

دل کو حد سے سوا دھڑکنے نہ دیا
قالب میں رُوح کو پھڑکنے نہ دیا
کیا آگ تھی سینے میں جسے فطرت نے
روشن تو کیا مگر بھڑکنے نہ دیا

۳

دل کیا ہے اک آگ ہے دہکنے کیلئے
دُنیا کی ہوا کھا کے بھڑکنے کیلئے
یا غنچۂ سربستہ چٹکنے کیلئے
یا خار ہے پہلو میں کھٹکنے کیلئے

۴

جب عالمِ ایجاد نے صورت پکڑی
مجموعہ اضداد نے صورت پکڑی
آباد ہوئی دل میں انوکھی دُنیا
کیا دردِ خداداد نے صورت پکڑی

۵

وَاللّٰہ یہ زندگی بھی ہے قابلِ دید
اِک طُرفہ طِلسم، دید جس کی نہ شنید
منزل کی دُھن میں جھومتا جاتا ہوں
پیچھے تو اجل ہے آگے آگے اُمید

۶

منزل کا پتا ہے نہ ٹھکانا معلوم
جبتک نہ ہو گم، راہ پہ آنا معلوم
کھو لیتا ہے انسان تو کچھ پاتا ہے!
کھویا ہی نہیں تو نے تو پانا معلوم

۷

منزل کی خبر کسی ہے منزل کی نہ پوچھ
منجدھار میں بہتا چل ساحل کی نہ پوچھ
کیا جانئے کس گھاٹ لئے جاتا ہے
آنکھیں جو دکھائیں دیکھ لو دل کی نہ پوچھ

۸

ہر گام پہ استخارہ کرتے نہ بنی

تھی دل سے لگی کنارہ کرتے نہ بنی

دیوانہ بتائے کیا کدھر جاتا ہے

منزل کی طرف اشارہ کرتے نہ بنی

۹

زنجیر سے ہونے کا نہیں دل بھاری

ہوں پاؤں میں کتنی ہی سلاسل بھاری

کعبہ کا سفر ہی کیا ہے گھر سے در تک

دل سے دل تک مگر ہے منزل بھاری

۱۰

مرمر کے مسافر سرِ منزل پہونچا
پہونچا تو سہی مگر بہ مشکل پہونچا
دیکھے کوئی اس دردِ طلب کی پرواز
دل ایک تڑپ میں تا درِ دل پہونچا

۱۱

دل کے ہاتھوں خراب رہتے ہی بنی
افتاد پڑی جیسی سہتے ہی بنی
ہم تیری تلاش میں کہیں کے نہ رہے
کعبہ کو بھی خیر باد کہتے ہی بنی

۱۲

ہے اور بھی ایک راہ مذہب کے سوا
منطق کے سوا، علم تذبذب کے سوا
باز آ گئے منزل سے کہاں کی منزل
مطلب نہیں کوئی ترکِ مطلب کے سوا

۱۳

تعظیم تری کرتے ہیں سب آنکھوں سے
پیدا ہے نشئہ ادب آنکھوں سے
سجدہ نہ کریں، کیسی یہ جانا کریں
ثابت ہے مگر دردِ طلب آنکھوں سے

۱۴

مطلوب ہے خواجہ کوئی احسان تازہ
اس درد طلب کا کوئی درماں تازہ
کلمہ سے غرض ہے نہ بھجن سے مطلب
اک نعرہ ہو سے کر دے ایماں تازہ

۱۵

پھر کوئی نئی لگن لگی ہے شاید
ہاں ہاں تہ پیرہن لگی ہے شاید
دل پریم کے ساگر میں بیتاب ہے کیوں
تازہ کوئی ڈگن لگی ہے شاید

۱۶

دُکھتا ہوا دل ٹٹول لینے والا
آنکھوں آنکھوں میں تول لینے والا
دل کی آواز گوشِ دل سے سُن کر
کیا ہے کوئی درد مول لینے والا؟

۱۷

درد اپنا کچھ اور ہے دوا ہے کچھ اور
ٹوٹے ہوئے دل کا آسرا ہے کچھ اور
ایسے ویسے خُدا تو بہتیرے ہیں
میں بندہ ہوں جس کا وہ خدا ہے کچھ اور

۱۸

یوسف کو اس انجمن میں کیا ڈھونڈھتا ہے
ہنگامۂ مادمن میں کیا ڈھونڈھتا ہے
نیرنگِ تماشا ہے حجابِ معنی:
تصویر کے پیرہن میں کیا ڈھونڈھتا ہے؟

۱۹

فطرت کچھ اور ہے خدا ہے کچھ اور
بالغ نظروں کا منتہا ہے کچھ اور
جسکے دم سے ہے ہر دل کی دُنیا روشن
اس جاگتی جوت کے سوا ہی کچھ اور

۲۰

تازہ مژدہ کوئی سناتا ہے تو آ
اُجڑے گھر کو مرے بساتا ہے تو آ
پھر بند نہ ہو جائے کہیں دل کا کِنواڑ
ایسے میں سویرا ہے آنا ہے تو آ

۲۱

بدلے گی ہزار رنگ دُنیا تو ہئی
بہلاتے ہیں دل ہم بھی تماشا تو ہئی
پردہ ہر دم یوں ہی بدلتا جائے
دھوکا ہے تو ہونے دو دھوکا تو ہئی

۲۲

کیوں مطلبِ ہستی و عدم کھل جاتا
کیوں رازِ طلسمِ کیف و کم کھل جاتا
کانوں نے جو سُن لیا وہی کیا کم ہے
آنکھیں کھلتیں تو سب بھرم کھل جاتا

۲۳

صبحِ ازل و شامِ ابد کچھ بھی نہیں
اک وُسعتِ موہوم ہے حد کچھ بھی نہیں
کیا جانئے کیا ہے عالمِ کون و فساد
دعوے تو بہت کچھ ہیں سند کچھ بھی نہیں

۲۴

صیّادِ ازل کی شعبدہ کاری ہے

آزادی کیا، عین گرفتاری ہے

اسرارِ طلسمِ زندگی کیا کہیے

یہ رات کٹی تو کل کا دن بھاری ہے

۲۵

حیراں ہو کیوں، رازِ بقا مجھ سے پوچھ

میں زندۂ جاوید ہوں آ مجھ سے پوچھ

مرتے ہیں کہیں دلوں میں بسنے والے

جینا ہے تو موت کی دوا مجھ سے پوچھ

٢٦

چارہ نہیں کوئی جلتے رہنے کے سوا
سانچے میں فنا کے ڈھلتے رہنے کے سوا
اے شمع تری حیات فانی کیا ہے
جھونکا کھانے سنبھلتے رہنے کے سوا

٢٧

ہر موج ہوا ہے درپۂ دل شکنی
ہر سانس پہ کرتی ہے فضا خندہ زنی
کھاتا کبتک حُبِ دنیا کی ہوا
وہ ٹھیس لگی کہ دل تو کیا دم پہ بنی

۲۸

دل ہو زندہ تو بارِ خاطر کیوں ہو
درد و غم ناگوارِ خاطر کیوں ہو
باقی ہو دماغ میں اگر بوئے امید
پیراہنِ جاں غبارِ خاطر کیوں ہو

۲۹

دل ہو مُردہ تو زندگانی بھی حرام
پیری کا ذکر کیا جوانی بھی حرام
افسانۂ عمر و جاودانی بھی حرام
آبِ حیواں کہاں کا؟ پانی بھی حرام

۳۰

واللہ یہ دنیا بھی عجب دنیا ہے
ہر رنگ میں وہ کشش کہ دل کھنچتا ہے
منھ بولتی جیتی جاگتی تصویریں
اعجاز ہنر ہے یا کوئی دھوکا ہے؟

۳۱

دُنیا کے مزے ہیں کس قیامت کے مزے
صحرا کی گھنی چھاؤں میں جنت کے مزے
کچھ دیر تو بیٹھتے چلو سایہ میں
کیا یاد کروگے دشتِ غربت کے مزے

۳۲

دُنیا کی ہوا کیا ہے پیامِ غفلت
یہ عالمِ رنگ و بو مقامِ غفلت
بیداری موہوم ہے آئینِ حیات
بدلا ہے نہ بدلے گا نظامِ غفلت

۳۳

تھمنے کا نہیں قافلۂ موجِ سراب
کٹنے کا نہیں مرحلۂ موجِ سراب
آغاز ہی آغاز ہے انجام کجا
عالم ہے عجب سلسلۂ موجِ سراب

۳۴

مطلب نہیں کوئی ترکِ منزل کے سوا
مقصد نہیں کوئی ترکِ باطل کے سوا
کعبہ کا ہوا میں نہ صنمخانے کا
سر جھک نہ سکا کہیں درِ دل کے سوا

۳۵

سنتا ہوں کہ ہر رنگ میں ہے تو موجود
ہر بو میں ہے معرفت کا پہلو موجود
وہ رنگ بھی کیا رنگ ہے ماشاء اللہ
جس میں کوئی خوشبو ہے نہ بدبو موجود

۳۶

ہاں اے دلِ ایذا طلب آرام نہ لے
بدنام نہ ہو مُفت کا الزام نہ لے
ہاتھ آ نہ سکے پھول تو کانٹے ہی سہی
ناکام پلٹنے کا کبھی نام نہ لے

۳۷

پروانے کہاں مرنے بچھڑتے پہونچے
دیوانہ صفت ہوا سے لڑتے پہونچے
پیاس آگ کے ہیں کود کے بجھانے والے
دھن کے پکے تھے گرتے پڑتے پہونچے

۳۸

وہ دل جسے کہتے ہیں دیارِ امید
آئینۂ صد نقش و نگارِ امید
شاید تری جلوہ گاہ عالی ہو وہی!
جس گھر میں ہو جلوہ گر بہارِ امید

۳۹

دل میں آ بیٹھ دردِ پہلو ہو کر
پھر اپنے تئیں دکھادوں میں تو ہو کر
آئینے میں کیا دیکھتا ہے رنگ اپنا
مجھ میں تو سما کر دیکھ ذرا بُو ہو کر

۱۴۰

ہنگامۂ عیش جان جو کم ہی سہی
آخر میں بلا سے تلخیٔ غم ہی سہی
عید اپنی منا لیتے محرّم ہی سہی
مل جاتے کہیں آپ جہنّم ہی سہی

۱۴۱

مخمورِ مئے شباب ہو لینا تھا
کم سے کم ایک نیند سو لینا تھا
دامانِ ہوس کہیں بھگو لینا تھا
بہتی گنگا میں ہاتھ دھو لینا تھا

۴۲

رونا ہے بدا جنھیں وہ جم جم روئیں
جب عیش مہیّا ہو تو ہم کیوں کھوئیں
فردا معلوم و راز فردا معلوم
رات اپنی ہی پھر کیوں نہ مزے سے سوئیں

۴۳

پیری کی ہوس ہزار منتر پڑھتی
گھٹنے کے سوا عمرِ رواں کیا بڑھتی
جھونکے میں فنا کے کیا پنپتا کوئی
مُرجھائی ہوئی بیل منڈھے کیا چڑھتی

۴۴

یارانِ چمن آگ برسنے کی ہے دیر
رُوؤ گے بہت برق کے ہنسنے کی ہے دیر
پھولوں سے لدی ہوئی دلہن کیا جانے
ان تازہ گلوں پہ رات بسنے کی ہے دیر

۴۵

دیکھے ہیں بہت چمن اُجڑتے بستے
کیا کیا گُلِ پیرہن لُٹے ہیں سستے
اے زندہ دلانِ باغ اِتنا نہ ہنسو
آنسو بھی نکل آتے ہیں ہنستے ہنستے

۴۶

سورج کو گہن میں نہیں دیکھا شاید
ہاں چاند کو گھن میں نہیں دیکھا شاید
اے حسنِ دو روزہ پہ اکڑنے والو
یوسف کو کفن میں نہیں دیکھا شاید

۴۷

یارانِ شباب رات کٹنے کی ہے دیر
بجھتا ہی کنول ہوا پلٹنے کی ہے دیر
محفل میں جھومتے رہو گے کب تک
آنکھیں کھلنے کی، دل اچٹنے کی ہے دیر

۴۸

دُنیا کے مزے میں ڈوبکر کیا ترتے
آنکھیں رکھتے تو کیوں گڑھے میں گرتے
لو دیکھ لو اب عیش پرستوں کی دسا
مُردے دیکھے نہ ہوں گے چلتے پھرتے

۴۹

دُنیا اے دَنی مجھ سے عداوت رکھے
جھوٹی سچّی ہزار تہمت رکھے
تیرے دم سے ہو اپنی دنیا آباد
اے درد، خُدا تجھے سلامت رکھے

۵۰

منھ تکتے ہیں دور سے سبب کچھ نہ سہی
اک حسنِ طلب تو ہے طلب کچھ نہ سہی
بندہ کہو خادم کہو جو کچھ بھی کہو
آگے تھے ہمیں سب کچھ اب کچھ نہ سہی

۵۱

پھر جوشِ غضب کو تھام لیتے ہی بنی
پھر چشمِ کرم سے کام لیتے ہی بنی
منھ سے تو نہ پھوٹے آپ ماشاءاللہ
آنکھوں سے مگر سلام لیتے ہی بنی

۵۲

پیراہنِ تن ہے گو غبار آلودہ
ہے دامنِ دل مگر بہار آلودہ
کچھ نشۂ رنگ و بُو ہے اب تک باقی
شاہد ہے مری چشم خمار آلودہ

۵۳

دم زندہ دلی کا آج تک بھرتے ہیں
کیوں زندگی گزشتہ پہ مرتے ہیں
افسردہ دلوں کو کیا گناہوں کا مزہ
دل بہلاتے ہیں غم غلط کرتے ہیں

۵۴

اے ہمتِ مردانہ دکھا دے وہ کمال
کہتے ہیں جسے جہادِ نفس اہلِ کمال
بہتر ہے دیو کو پکڑ لے زندہ
قابو میں کرے نفس کو مار نہ ڈال

۵۵

وہ جوش وہ اضطراب منزل میں کہاں
وہ شوقِ طلب تھکے ہوئے دل میں کہاں
شاعر کی تہ کو فلسفی کیا پہونچے
منجھدار کا زور شور ساحل میں کہاں

۵۶

دُنیائے دَنی کا آسرا لینا کیا
باطل کے آگے سر جھکا لینا کیا
ناحق احسانِ ناخُدا لینا کیا
بندے کے تئیں خُدا بنا لینا کیا

۵۷

مَردوں کو یہ دنیائے دَنی کیا چھلتی؟
سر پھوڑ چلے، کوہکنی کیا چلتی؟
معلوم ہے فرہاد پہ جو کچھ گزری
ٹل جائے قیامت، شُدنی کیا ٹلتی؟

۵۸

جس باگ پہ چاہے موڑ تی ہے دنیا
کستی ہے کبھی جھنجھوڑ تی ہے دنیا
پلٹے ہمّت کو توڑ تی ہے دنیا
نامرد بنا کے چھوڑ تی ہے دنیا

۵۹

مفلس کو مزہ زیست کا چکھنے نہ دیا
اس نقدِ شباب کو پرکھنے نہ دیا
دُنیا سے پلٹتے تو پلٹتے کیونکر
پِٹّھے پہ کبھی ہاتھ تو رکھنے نہ دیا

۶۰

شاہوں کو نگاہوں سے گرا کر مارا
شہزادوں کو دربدر پھرا کر مارا
دُنیا سے پٹنے والے بے موت مرے
ایک ایک کو کیا اِدھر اُدھر کر مارا

۶۱

مردوں کو کشاں کشاں لئے پھرتی ہے
پھرتے ہیں جہاں جہاں لئے پھرتی ہے
منہ موڑ کے لکھنؤ سے پہونچے ہیں دکن
تقدیر کہاں کہاں لئے پھرتی ہے

۶۲

وہ گھر وہ در وہ آستانہ بھولا
وہ گل وہ چمن وہ آشیانہ بھولا
وہ لحن وہ نغمہ وہ ترانہ بھولا
وہ دَور وہ عہد وہ زمانہ بھولا

۶۳

اے لکھنؤ اے دیارِ دور افتادہ
اے جانِ من اے بہار دور افتادہ
اب دور سے اس خاک کو سجدہ کر لے
میں کون ہوں اک مزارِ دور افتادہ

۶۴

کوئی تجھ کو پکارتا جاتا ہے
کوئی ہمّت ہی ہارتا جاتا ہے
کوئی تہ کو سدھارتا جاتا ہے
دریا ہے کہ موجیں مارتا جاتا ہے

۶۵

دھارا ہے زمانے کا رواں بے سر و پا
پھرتے ہیں زمین و آسماں بے سر و پا
کیا جانئے کس منزلِ موہوم کی دُھن
کھینچے لئے جاتی ہے کہاں بے سر و پا

۶۶

ہوں صید کبھی اور کبھی صیّاد ہوں میں
کچھ بھی نہیں بازیچۂ اضداد ہوں میں
مختار مگر اپنی حدوں میں محدود
ہاں وسعتِ زنجیر تک آزاد ہوں میں

۶۷

مشکل کوئی مشکل نہیں جینے کے سوا
خاموش لہو کا گھونٹ پینے کے سوا
کھلتے ہیں کبھی جوہرِ تسلیم و رضا
جب کوئی سپر ہی نہ ہو سینہ کے سوا

۶۸

بیدرد، دوا مانگنے والا تو کون۔؟

کیوں میرے سوا مانگنے والا تو کون۔؟

ہنستا ہوں خود اپنے حال پر، میرے لئے

رو رو، کے دُعا مانگنے والا تو کون؟

۶۹

ہم ایسوں کا درد رکھنے والا تو کون

یہ لذتِ تلخ چکھنے والا تو کون

کیا دل کو ٹٹولتا ہے اندھوں کی طرح

ٹوٹا ہی سہی، پرکھنے والا تو کون

۷۰

دیوانہ کار، الحب کیا جانے
خود اپنے ارادوں کے سوا کیا جانے
تقدیر کے چکّر میں جو آیا ہی نہ ہو
وہ بندۂ تدبیر دعا کیا جانے

۷۱

کیا مفت کا بہتان خدا پر باندھا
کیا گردشِ تقدیر کا چرخہ نا ندھا
فطرت کیا ساتھ دیتی نامردوں کا
جیتے مُردے کو کون دنیا کاندھا؟

۷۲

مردوں کا اصول جان لینے کی ہے دیر
دشوار کو سہل مان لینے کی ہے دیر
منجدھار تو کیا ہے آگ میں کود پڑیں
کچھ بھی نہیں، دل میں ٹھان لینے کی ہی دیر

۷۳

موجوں سے لپٹ کے پار اترنے والے
طوفانِ بلا سے نہیں ڈرنے والے
کچھ بس نہ چلا تو جان پر کھیل گئے
کیا چال چلے ہیں ڈوب مرنے والے

۷۴

امکانِ طلب سے کوئی آگاہ تو ہو
منزل کا تہِ دل سے ہوا خواہ تو ہو
چل پھر کے ذرا دیکھ، جھجکتا کیا ہے
ملجائے گی راہِ راست، گمراہ تو ہو

۷۵

ہو گی کسی رہنما کو منزل کی خبر
پوچھے کوئی ناخدا سے ساحل کی خبر
ہم اوس کی نظر کے دیکھنے والے ہیں
وہ کون؟ جو رکھتا ہے تہِ دل کی خبر

۷۶

کعبے سے ہی آج اپنا سفر اور طرف
میں اور طرف ہوں راہبر اور طرف
کیسے حرم و دَیر؟ اِدھر ہوں نہ اُودھر
دل اور طرف کو ہے نظر اور طرف

۷۷

گھر چھوڑ کے جو دربدر ہوا کچھ نہ ہوا
بیکار کا دردِ سر ہوا کچھ نہ ہوا
فانوس کے باہر نہ لگی شمع کی لَو
جب دھیان اِدھر اُودھر ہوا کچھ نہ ہوا

۷۸

دیوانہ کیوں تری نظر پر نہ چڑھے
پروانہ وہ کیا جو شمع کے سر نہ چڑھے
کس کام کا وہ خار جو دل میں نہ گڑے
وہ پھول ہی کیا ہے جو تمہیں سر نہ چڑھے

۷۹

دیوانہ ہے پروانے کا مذہب کیا ہے
مطلب سے ہی مطلب اور مطلب کیا ہے
دی جل کے صدا شمع کو ہنگام سحر
مطلب تھا جبھی تک آپ سے اب کیا ہے

۸۰

آرام سے سوتا ہے کوئی کمّل میں
منگل کوئی گاتا ہے پڑا جنگل میں
میں ماہئ بے آب مجھے چین کہاں
اک موجِ پریشاں ہوں عجب ہلچل میں

۸۱

منزل ہی نہیں کوئی ٹھہرنے کیلئے
عالم عالم ہے سیر کرنے کیلئے
ہر پست و بلند ہے گزرنے کیلئے
یہ پاؤں ہیں کیا زمیں پہ دھرنے کیلئے

۸۲

دیکھوں کب تک گلوں کی یہ تشنہ لبی ؟
فطرت کا گلہ کروں تو ہے بے ادبی
پیاسے تو ہیں جاں بلب مگر ابر کرم
دریا پہ برستا ہے زہے بوالعجبی ـــ!

۸۳

گرداب بلا میں سب ہیں گھرنے کیلئے
آخر کو ہیں دن سب کے پھرنے کیلئے
کیا کہیے مگر سنگدلوں کا انجام
پتھر کہیں ڈوبتا ہے ترنے کیلئے

۸۴

کشتی آخر اجل سے لڑتے ہی بنی
لڑنے کو لڑے مگر بچھڑتے ہی بنی
کاغذ کی ناؤ میں جہاں آگ لگی
گھبرا کے بھنور میں کود پڑتے ہی بنی

۸۵

آپ اپنی بلاؤں میں کیوں گھرتا ہے
خشکی میں ڈوب کر کوئی ترتا ہے
کیا باد کے گھوڑے پہ اُڑا پھرتا ہے
جھونکا کھاتے ہی منہ کے بل گرتا ہے

۸۶

پُتلا مٹی کا خاک ہو گا کہ نہیں

پیراہنِ عُمر چاک ہو گا کہ نہیں

آلودۂ رنگ و بُوئے مستانہ سہی!

دل خاک میں مل کے پاک ہو گا کہ نہیں

۸۷

سَر دُھنتے تھے اسرار و معانی سُنکر

پروانہ و شمع کی کہانی سُنکر

جا پہونچے یگانہ کون سے عالم میں

چُپ لگ گئی کیوں دل کی سُنانی سُنکر

۸۸

پھولوں کو ہوا لگی کہ مہکتے ہی بنی
بلبل کو مہک پا کے چہکتے ہی بنی
سبزہ پہ چڑھا رنگ لہکتے ہی بنی
دل میں تھی دبی آگ دہکتے ہی بنی

۸۹

ہم پلّہ تھے دو گل کوئی چھوٹا نہ بڑا
کانٹوں میں تُلا کوئی نگاہوں میں تُرا
کھلتا نہیں کیا جانیں کیا پھیر پڑا
پروان چڑھا کوئی گھورے پہ سڑا

۹۰

دل زندہ ہے، درد منقسم ہے جبتک
آباد ہے گھر ہجوم غم ہے جبتک
بچھڑے ہیں تو کیا آپ سے اک لاگ تو ہے
دم بھرتے رہیں گے دم میں دم ہے جبتک

۹۱

کچھ دردِ نہاں کی مہربانی ہو جائے
پیدا دل میں ذرا روانی ہو جائے
پھر چشمِ ندامت کا دکھا دوں اعجاز
پتھر بھی خدا چاہے تو پانی ہو جائے

۹۲

وہ دل جسے لاگ ہو کسی سے نہ لگاؤ
اک خاک کا ڈھیر ہے جہاں چونپٹے چاؤ
ٹھنڈی مٹی کا اک انوکھا پتلا
پہلو میں ہمیں کو دیکھ لو دور نہ جاؤ

۹۳

آنکھیں ہیں تو انکار حقیقت مشکل
دل میں ہے مزہ تو ترک لذت مشکل
دیوانۂ عشق کیا کرے گا توبہ
توبہ آسان مگر ندامت مشکل

۹۴

پیاری دنیا کے چاؤ دیکھے ہیں بہت
ٹیڑھے سیدھے سبھاؤ دیکھے ہیں بہت
کیا پیر فلک تاؤ دکھاتا ہے مجھے
ان آنکھوں نے تاؤ بھاؤ دیکھے ہیں بہت

۹۵

کرنا جو کچھ تھا کر چکے اپنے حساب
بھرنا جو کچھ تھا بھر چکے اپنے حساب
اب دل ہی نہیں تو موت کا ڈر کیا
مرنا برحق ہے مر چکے اپنے حساب

۹۶

کیوں کھول دیئے راز ازل کو نا حق
پنجے میں پھنسے آپ اجل کے نا حق
ہاں کیوں نہ اُٹھے شورِ انا الحق پہ فساد
بڑ مار اُٹھے پیٹ کے ہلکے نا حق

۹۷

آئینہ حق ہوں خود پسندی کیسی؟
دیوانہ ہوں اپنا ہوشمندی کیسی؟
عالم میں جدھر دیکھئے میں ہی میں ہوں
پستی کسے کہتے ہیں بلندی کیسی؟

۹۸

دل تھا غنچہ مگر بکھرنے کے لئے
ہنستوں کو دیکھ کر ترسنے کے لئے
کھلنے کی ہوس میں اور چہرہ بگڑا
منہ چاہئے کھل کھلا کے ہنسنے کے لئے

۹۹

گذری ہے بہار عمر تنکے چنتے
آتش کدۂ شوق میں جلتے بھنتے
یارانِ چمن گاتے ہیں اپنی اپنی
میری سنتے تو دیر تک سر دھنتے

۱۰۰

اللہ ری تصور کی یہ رنگیں نظری
غربت میں بھی دل جلوؤں کی کھیتی ہے ہری
کروٹ کروٹ ہے لہلہاتی جنت
جیتک شہ ہے ہوائے لکھنؤ سر میں بھری

۱۰۱

ہر رنگ کو کہتا ہے فریبِ نظری
ہر بُو کو ہوائے منزلِ بے خبری
ہر حُسن کو فلسفی کی آنکھوں سے نہ دیکھ
دُشمن کو مُبارک ہو یہ بالغ نظری

۱۰۲

سنسار میں چار دانگ اندھیاری ہے
کیا جانئے خواب ہے کہ بیداری ہے
آنکھیں ہیں مگر حسنِ نظر سے خالی
اندھیر ہے یا سمے کی بلہاری ہے

۱۰۳

فانوسِ خودی میں آپ مستور ہیں ہم
پردہ یہ اٹھے تو نور ہی نور ہیں ہم
دیکھا تو سہی تو نے مگر کیا دیکھا!
جتنے نزدیک ہو اتنے ہی دور ہیں ہم

۱۰۴

یاران چمن یہ رنگ و بو مجھ سے ہے
تم سے کیا ہو گا لکھنؤ مجھ سے ہے
میں جانِ سخن ہوں بلکہ ایمانِ سخن
دنیائے ادب کی آبرو مجھ سے ہے

۱۰۵

ہاں فکرِ رسا دیکھ بڑا بول نہ بول
گنجینۂ راز اندھی نگری میں نہ کھول
جب کی جتنی ضرورت اتنی قیمت
ہیرا کبھی کنکر ہے کبھی ہے انمول

۱۰۶

دل نشہ میں سرشار نظر آنے لگا
ویرانہ بھی گلزار نظر آنے لگا
کیا جانیں محبت نے چڑھایا کیا رنگ
عالم گل بیخار نظر آنے لگا

۱۰۷

آخر یہ شباب یاد آئے گا نہ کیا
یہ خانہ خراب یاد آئے گا نہ کیا
جنت کیا دور ہے گنہگاروں سے
بھولا ہوا خواب یاد آئے گا نہ کیا

۱۰۸

دُنیا سے اُٹھے ہیں دل کی دل میں لیئے
کس کام کی زندگی کہ ناکام جئیے
وہ درد دیا جس کی دوا تھی نہ دعا
دل تجھ سے لگایا تھا اسی دن کیلئے؟

۱۰۹

دکھ درد کو موہوم سمجھنا مشکل
مشکل ہے یہ مفہوم سمجھنا مشکل
اپنی ہستی غلط نہ اپنی ہستی
موجود کو معدوم سمجھنا مشکل

۱۱۰

کیوں مذہب جمہور سے ہم باز آئے
رازی کی سمجھ میں خاک یہ راز آئے
آنکھ ایسی تو ہو کہ حق کو پہچان سکے
کان ایسے تو ہوں کہ دل کی آواز آئے

۱۱۱

مہماں نہ سہی ایک مسافر ہی سہی
دل رکھ لے بلا سے بارِ خاطر ہی سہی
ساقیِ دکن ہم بھی ترے دور میں ہیں
اوّل نہ سہی تو سب سے آخر ہی سہی

۱۱۲

گھر لوٹتا ہے آج وَلِندر بھاگا
دُکھ درد کے ماروں کا نصیبہ جاگا
دن کاٹے ہیں گن گن اسی دن کیلئے
ساجن آتے ہیں راستہ دے کاگا!

۱۱۳

ترسی ہوئی آنکھوں کا تقاضا ہے تو کیا
پھوٹی ہوئی آنکھوں کی تمنا ہے تو کیا
اُترے گا نہ کبھی حُسنِ بے رنگ کا عکس
روشن ہے تو کیا، آئینہ اندھا ہی تو کیا

۱۱۴

دنیا میں رہ کے راست بازی کب تک
مشکل ہے، کچھ آسان نہیں سیدھا مسلک
سچ بول کے کیا حسینؑ بننا ہے تجھے
اتنا سچ بول، دال میں جیسے نمک

۱۱۵

دنیا طلبی جائے گی کیا جان کے ساتھ
کیسی یہ بلا لگی مسلمان کے ساتھ
کیسا قرآن اور کہاں کا ایمان
ایمان رہا طاق پہ قرآن کے ساتھ

۱۱۶

کیا بھانپتا ہے بھاپ نپنے والے باز آ
حیران سے ہے کیوں ٹاپنے والے باز آ
کھنچتی جائے گی اور بھی دُور سے دُور
آفاق کی حد ناپنے والے باز آ

۱۱۷

دیوانہ روی کا حق ادا کرتا چل
چلنا تو یہی شور بپا کرتا چل
گردش میں بھنور سے بوند لا جگر میں
ہاں تو بھی یوں ہی رقصِ فنا کرتا چل

۱۱۸

نظارۂ بیدار بھی مہمل ٹھہرا
ہے ایک سے بڑھکر ایک پردہ گہرا
افسانۂ شاہد حقیقت باطل
کہتا گونگا ہے اور سنتا بہرا

۱۱۹

کس منھ سے کہے کوئی کہ تو ایسا ہے
ویسا تو نہیں ایک بھی، تو جیسا ہے
ہاں ہے تو سہی مگر نہ جانے کیا ہے
ایسا نہیں ویسا نہیں پھر کیسا ہے

۱۲۰

ان عقل کے اندھوں میں ہے یہ غُل کیسا
میں جُز ہوں وہ کُل ہے۔ یہ تعقُّل کیسا
کُل ہی کُل ہے کہاں کا جُز کیسا جُز
جُز کُل سے الگ ہوا تو پھر کُل کیسا؟

۱۲۱

ان مردہ پرستوں کا ہے مذہب کیسا
ہر حال میں بدحال۔ یہ مشرب کیسا
کل تک تو اسی کَل سے آزردہ تھے
گذرے ہوئے کَل کا ذکر خیر اب کیسا

۱۲۲

منزل کی جستجو میں گم رہتا ہوں
ہنگامۂ آرزو میں گم رہتا ہوں
امّید کا سبز باغ، اے صلِّ علیٰ
اک عالمِ رنگ و بو میں گم رہتا ہوں

۱۲۳

ممکن نہیں اندیشۂ فردا کم ہو
ہاں تشنۂ غفلت ہو تو ایذا کم ہو
ٹلنے کی نہیں قیامت اچھا نہ ٹلے
منہ پھیر لو اپنا کہ یہ دھڑکا کم ہو

124

بیدرد ہو، کیا جانو مصیبت کے مزے
ہیں رنج کے دم قدم سے راحت کے مزے
دوزخ کی ہوا تو پہلے کھا لو صاحب
کیا ڈھونڈھتے ہو ابھی سے جنت کے مزے

125

جب تک نہ سہیں رنج تو راحت معلوم
جنت معلوم، سیرِ جنت معلوم
دوزخ کی ہوا کھائی نہیں کیا جانیں
معصوم کو جنّت کی حقیقت معلوم

۱۲۶

کیا جانیں یہ کمبخت ہیں بندے کن کے
اللہ ہی پھیرے کر تو پھریں دن اِن کے
جینے کا ہنر سیکھیں تو کیونکر سیکھیں
جیتے مُردے جو سانس لیں گن گن کے

۱۲۷

دُنیا سے الگ جا کے کہیں سر پھوڑو
یا جیتے ہی جی مُردوں سے ناتا جوڑو
کیوں ٹھوکریں کھانے کو پڑے ہو بیکار
بڑھنا ہے بڑھو، نہیں تو رستہ چھوڑو

۱۲۸

ارمان نکلنے کا مزہ ہے کچھ اور
اور رشک سے جلنے کا مزہ ہے کچھ اور
ہاں یاد ہے دوست سے لپٹنا لیکن
دشمن کو کچلنے کا مزہ ہے کچھ اور

۱۲۹

کہتے ہیں کہ شیطان کبھی سوتا ہی نہیں
انسان سے غافل کبھی ہوتا ہی نہیں
مُلّا بھی مگر کم نہیں ہشیاری میں
موقع کوئی ہاتھ آئے تو کھوتا ہی نہیں

١٣٠

دُنیا کی ہوا کھا کے کچھ ایسے بگڑے
ایمان پلٹ گیا ارادے بگڑے
کیا کیا دیندار، پریم پاپی نکلے
کیا اچھے بنے تھے، کیسے اچھے بگڑے

١٣١

کیا کیجئے رام رام کرتے ہی بنی
جائز نہ سہی یہ کام کرتے ہی بنی
چاہا تو بہت بتوں سے منھ پھیر چلوں
جھکتے ہی بنی سلام کرتے ہی بنی

۱۳۲

پھر ساحلِ امیّد دغا دے نہ کہیں
ابتک کوئی اس پار اُترنے کی نہیں
پانی میں بھی ہے زور وہی دھارے کا
لو پاؤں تلے سے نکلی جاتی ہے زمین

۱۳۳

بیدار ہی موہوم کا پردہ نہ ہٹا
کہنے کے لئے وقت بہت خوب کٹا
کیا جانئے کل سے آجتک کیا گزری
پانی کتنا بہا ہے پُل کتنا گھٹا

۱۳۴

زیبا نہیں یہ تُنک مزاجوں کے چلن
گلچیں سے لاگ، باغباں سے اَن بَن
کیا حوصلہ کیا ظرف ہے ماشاءاللہ
اک ٹھیس میں دُہری دُہری ماتھے پہ شکن

۱۳۵

کانوں میں آئی کیسی آواز نئی
دل کی دنیا میں سنسنی دوڑ گئی
کس سے روٹھا ہے، ہم سے یا دنیا سے؟
دُنیا کی طرف دیکھ دنیا تو ہنسی!

۱۳۶

اللہ غنی بتوں کی یہ جلوہ گری
کیا ساری خدائی ہے خداؤں سے بھری
اتنے ہیں خدا تو خود پرستی ہی بھلی
یکسوئی ہے اچھی کہ پریشاں نظری؟

۱۳۷

لڑتے ہی نظر پینگ بڑھا لیتا ہے
الٹا سیدھا سبق پڑھا لیتا ہے
دل کی گھاتوں کو سنگدل کیا سمجھیں
دو باتوں میں داؤں پہ چڑھا لیتا ہے

۱۳۸

کچھ کر تو چلیں گو کوشش ناکام سہی

انعام کے بدلے اور دشنام سہی

امیّد سلامت ہے تو کیوں باز آئیں

بوسہ نہ سہی بوسہ بہ پیغام سہی

۱۳۹

وہ حُسن ہی کیا ہے جو گلے کٹوائے

فتنے برپا کرے قیامت ڈھائے

دیکھا ہوگا مگر نہ دیکھا ہوگا

وُہ حُسن جسے دیکھ کے چپ لگ جائے

۱۴۰

ارباب وفا ہیں کڑھنے کھپنے کیلئے
اندر اندر سلگنے تپنے کیلئے
کس دل سے دلِ دوست دکھاؤں واللہ
دل چاہیئے بے دھڑک تڑپنے کیلئے

۱۴۱

واللہ وہ زندگی بھی ہے قابلِ دید
جسکی ہر سانس اک پیامِ امید
زندہ ہے وہی جو مر کے زندہ ہو جائے
پیغامِ اجل جس کے لئے مژدۂ عید

۱۴۲

ہاں جب ہے مزہ کہ دوست دشمن ہو جائے
ہر پہلوِ خوب و زشت روشن ہو جائے
سکھ میں جو سودا ہے تو دکھ کے دم سے
سکھ ہی سکھ ہو تو پھر اجیرن ہو جائے

۱۴۳

کیا جانے کوئی عید منانے کے مزے
جبتک نہ اٹھائے دل لگانے کے مزے
اے عید منانے والو مجھ سے پوچھو
روٹھے ہوئے دوست کو منانے کے مزے

۱۴۴

کیا فصلِ بہاری کی خبر نے مارا
یا بوالہوسی کے دردِ سر نے مارا
یارانِ شکستہ پر ہیں کتنے بیتاب
کس کی آوازِ بال و پر نے مارا

۱۴۵

آسان نہیں موت کی آہٹ لینا
گہوارۂ بیخودی میں کروٹ لینا
بیدار دلی ہے اور الٹی زحمت
اچھا نہیں اپنے سر پہ جھنجھٹ لینا

۱۴۶

رہنے کا نہیں بند درِ آزادی
ڑتی ہیں ہوائیں خبرِ آزادی
دروازۂ زنداں درِ توبہ تو نہیں
ہاں المدد اے دردِ سرِ آزادی

۱۴۷

کس دُھن میں کوہکن نے تیشہ باندھا
سر پھوڑ کے خود موت کا آگا باندھا
قدموں سے لپٹ گئی حیاتِ ابدی
کیا عشق کے سر اجل نے سہرا باندھا

۱۴۸

ہنگامۂ شوق و آرزو سے مجبور

دنیا کی ہوائے چارسو سے مجبور

گلچیں کی تمنا پہ خدا رحم کرے

گل ہیں پروازِ رنگ و بو سے مجبور

۱۴۹

دنیا میں کوئی اور حسین ہو بھی تو کیا

پردہ میں کوئی پردہ نشیں ہو بھی تو کیا

عالم میں جدھر دیکھیے میں ہی میں ہوں

حُسن اپنے سوا اور کہیں ہو بھی تو کیا

١٥٠

مہمان ہے تو صبا خانہ ہوں میں
آئینۂ حُسنِ جبا و دانہ ہوں میں
مجھ سا کوئی دوسرا نہ تجھ سا کوئی
یکتائے جہاں تُو ہے یگانہ ہوں میں

١٥١

کیوں شرح کا دفتر کوئی احمق کھولے
ہے یہ وہ سخن کہ اپنے منہ سے بولے
کانٹوں کا تُلا ہوا، تُلا ہوں میں جچا
لے تول سے پاؤ رتی بادن تولے

۱۵۲

مے کیا ہے خونِ دل بھی پی کر نہ چھکا
جی بھر کے بُرا کام کوئی کر نہ سکا
مجھ کو کوئی مجھ سے پوچھے اللہ رے ہیں
وہ ہیں کہ گناہ کرتے کرتے نہ تھکا

۱۵۳

کافر کا مسلمان سے بس کیا چلتا
دیووں کا سلیمان سے بس کیا چلتا
لاکھوں شیطان پر ایک انسان بھاری
شیطان کا انسان سے بس کیا چلتا

۱۵۴

بخشش کسے کہتے ہیں عنایت کیسی

ملک اپنا ہی مال اپنا اجازت کیسی

قدرت کا خزانہ ہے تصرف کیلئے

تقدیر کے ٹکڑوں پہ قناعت کیسی؟

۱۵۵

وہ مست کہ بے پیئے چھلکتا جائے

نشہ میں شباب کے بہکتا جائے

آئینہ کا سامنا کرے گا کیونکر

اپنے سایہ سے جو بھڑکتا جائے

۱۵۶

ڈرتے ڈرتے گناہ کر لیتا ہوں
دزدیدہ سہی نگاہ کر لیتا ہوں
کیا کیجئے دادِ حسن دینی ہی پڑی
دکھتے ہوئے دل سے آہ کر لیتا ہوں

۱۵۷

حسن اپنی نظر سے گر چلے گا کہ نہیں
ہاتھ اپنے زوال پر ملے گا کہ نہیں
دورِ فلک انتقام لے گا کہ نہیں
چڑھتا ہوا دن کبھی ڈھلے گا کہ نہیں

۱۵۸

اپنی حد سے گزر گئے اب کیا ہے
منجدھار سے پار اُتر گئے اب کیا ہے
اے شوقِ وصال اے تمنائے سکوں
دونوں پلّے تو بھر گئے اب کیا ہے

۱۵۹

بادل کو لگی کھلتے برستے کچھ دیر
دل کو نہ لگی اُجڑتے بستے کچھ دیر
بچّوں کی طرح موم ہوا ہوں ایسا
روتے کچھ دیر ہے نہ ہنستے کچھ دیر

۱۶۰

دل کا دامن کبھی نہ چھوٹے واللہ

آئینۂ ادراک نہ ٹوٹے واللہ

دل ہے روشن تو دین و دنیا روشن

آنکھیں پھوٹیں ہیّا نہ پھوٹے واللہ

۱۶۱

کچھ دردِ محبت کی کسک ہے تو سہی

ہلکی سی نبض میں دھمک ہے تو سہی

چڑھ جائے کوئی لہر تو پھر کیا چارہ

کچھ دن کیلئے موت میں شک ہی تو سہی

۱۶۲

ذُر دیدہ نگاہی کا سبب کیا کہئے
بیگانگیِ حُسنِ طلب کیا کہئے
دل کے گاہک ہیں کیا سیانے گاہک
اندازِ پیامِ زیرِ لب کیا کہئے

۱۶۳

کعبہ کی طرف دُور سے سجدہ کر لوں
یا دیر کا آخری نظارہ کر لوں
کچھ دیر کی مہمان ہے جاتی دنیا
اِک اور گنہ کر لوں کہ توبہ کر لوں؟